www.kitabmart.in
هجرت اور جہاد
آیت اللہ شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ
شہید مطہری فاونڈیشن (پاکستان)

ہجرت اور جہاد

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

شہید مطہری فاونڈیشن لاہور پاکستان

عَرضِ ناشر

آغاز ہے رب کائنات کے بابرکت نام سے جو ہمارا پالنے والا اور مددگار ہے وہی ہے جو عبادت کے لائق ہے اور درود ہے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جن کی پیروی انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت ہے۔

شہید مطہری فاونڈیشن کی عمر بہت چھوٹی ہے اور استاد شہید مطہری کے آثار وافکار کی اشاعت کا کام اپنے ذمہ لیا ہے اور پوری تندہی سے اس کام میں مصروف عمل ہے۔

مذکورہ کتاب ''ہجرت اور جہاد'' آپ کی خدمت میں پیش ہے اس میں استاد شہید نے ہجرت اور جہاد کو بہت ہی خوبی سے بیان کیا ہے، ہجرت اور جہاد کی جو وضاحت استاد شہید نے کی ہے اس کا تمام عالم انسانیت کو علم ہونا بہت ضروری ہے۔

ہماری آپ سے درخواست ہے کہ اگر آپ کے پاس شہید مطہری کی کوئی کتاب موجود ہو تو ہمیں آگاہ کریں تا کہ اس کو چھاپ کر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا جائے۔

شہید مطہری فاونڈیشن کی کتب اب

www.shaheedmutahhari.com پر بھی مطالعہ کے موجود ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُقدّمہ

کتاب حاضر استاد شہید مرتضیٰ مطہری رضوان اللہ علیہ کی ان تین تقریروں کا مجموعہ ہے جو ہجرت اور جہاد کے موجوع پر تہران کی جامع مسجد نارمک [1] میں کی گئی تھیں۔ ان تقاریر کو ٹیپوں سے منتقل کیا گیا ہے اوران کی ترتیب و تنظیم میں پوری دیانتداری سے کام لیا گیا ہے۔ البتہ صرف عبارت میں مختصر سی اصلاح کی گئی ہے اور وہ اس طرح کی تقریر کی اپنی اصلی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آنے پائی۔

استاد شہید نے ان تقریروں میں ''ہجرت اور جہاد'' کے دونوں مفاہیم کو سلیس انداز اور دلچسپ پیرائے میں بڑی روانی کے ساتھ بیان کیا ہے اوراس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر ''جہاد'' یا ہجرت'' کواپنے دو معنوں میں سے ایک کے ساتھ تعبیر کیا جائے یا کسی وجہ سے ایک معنی کو چھوڑ دیا جائے تو اسلام کے صراط مستقیم سے ہٹ جائیں گے۔ مثلاً اگر ''ہجرت'' کو فقط، گناہوں کے چھوڑ دینے'' اور جہاد'' کو صرف جہاد بالنفس کے معنی میں لیا جائے اور ''ہجرت مکانی'' اور ''دشمنان اسلام سے جنگ'' کو فراموش کر دیا جائے تو راہ راست سے بھٹک کر اسلامی احکام کو مکمل طور پر نافذ نہیں کریں گے۔ بلکہ ہجرت اور جہاد کے دونوں مفاہیم کو ساتھ ساتھ اپنے اور اسلامی معاشرے میں رواج دینے اوران پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور کسی ایک مفہوم کو لے کر دوسرے کو ترک نہیں کر دینا چاہئے۔

---

[1] یہ تقاریر ۱۹۷۵ میں کی گئیں

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين بارى الخلائق اجمعين والصلوة والسلام على عبدالله ورسوله وحبيبه وصفيه وحافظ سره ومبلغ رسالاته سيدنا ونبينا و مولانا ابى القاسم محمد وآله الطيبين الطاهرين المعصومين

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٠٠ [1]

اجتماعی نقطہ نظر سے دین مقدس اسلام کا پایہ دو بنیادوں پر استوار ہے۔ ایک ہجرت دوسرے جہاد قرآن مجید ان دونوں موضوعات کو ایک خاص مقدس اہتمام کے ساتھ بیان کرتا ہے اور مجاہدین اور مہاجرین کے بے حد احترام کرتا ہے۔

ہجرت یعنی ایمان کو بچانے کے لئے گھر اور زندگی کو خیر باد کہنا، ہٹ جانا، دور

---

[1] سورۂ نساء:۱۰۰

ہونا، کوچ کرنا اور ایمان کی سرزمین میں چلے جانا قرآن مجید میں ہمیں بہت سے مقامات پر ''هاجروا'' اور ''جاهدوا'' کے کلمات ملتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ [1]

صدر اسلام میں مسلمانوں کے دو گروہ تھے۔ ایک کو ''مہاجر'' اور دوسرے کو ''انصار'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مہاجر وہ مسلمان اور مومنین تھے جو اپنے ایمان کو بچانے کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر مدینہ منورہ آ گئے تھے۔

اسلام میں ''ہجرت'' بھی جہاد کی مانند کبھی منسوخ نہ ہونے والا ارکانِ اسلام کا ایک محکم رکن اور ہمیشہ زندہ و پائندہ حکم ہے۔ یعنی اس بات کا ہر وقت امکان موجود ہے کہ کسی بھی وقت ایسے حالات پیش آ جائیں جس سے مسلمان کو ترک وطن کرنا پڑے۔

(ب)

جس دور میں یہ تقریریں ہوئی تھیں اس وقت ستم شاہی کا دور دورہ تھا اور ملک میں پہلوی حکومت کی جانب سے مکمل گھٹن اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس زمانے میں ایسی تقاریر کا برسرِ منبر بیان کرنا استاد شہید کی آزادیِ فکر اور آزادیِ خیال کی منہ بولتی تصویر ہے۔ شہید مرحوم نے ایسے دور میں ہجرت اور جہاد کے ایسے موضوعات پر اپنے افکار کا اظہار فرمایا ہے۔

اس دور میں ایرانی معاشرے پر دو قسم کے افکار حکم فرما تھے۔ ایک فکر یہ تھی کہ صرف روحانی طور پر اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ اجتماعی اور معاشرتی اصلاح اور ستم شاہی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی تھی جب کہ دوسری فکر صرف اسلام کے اجتماعی مسائل کی طرف متوجہ تھی اور روحانی اصلاح اور خودسازی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ حالانکہ یہ دونوں افکار غلط تھے اور راہ راست سے ہٹے ہوئے تھے۔ اس دوران

---

[1] سورۂ انفال: ۷۴

میں ہم دیکھتے ہیں کہ استاد شہید مرتضیٰ مطہری رحمۃ اللہ علیہ پوری جرأت اور خداداد صلاحیتوں کے ساتھ ''ہجرت'' اور ''جہاد'' جیسے اسلامی احکام کو بیان کرتے ہیں اور اسلام کے بتائے ہوئے صحیح راستے یا صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں، جس کی حقیقت کا اندازہ آپ کو ان تقاریر کے مطالعہ سے ہوگا۔

والسلام علی عباد اللہ الصالحین

ہجرت و جہاد

ممکن ہے کہ کسی وقت جہاد کی مانند ہجرت کے معانی کے بارے میں بھی غلط فہمی پیدا ہو، اس کو دور کرنے کے لئے ہجرت اور جہاد کے دونوں معنوں کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

ہجرت اور اسی طرح جہاد کی ایک دوسری تعبیر اور تفسیر بھی بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ: ''ہجرت سے مراد گناہوں سے ہجرت اور ان سے دوری ہے''۔ ''**المھا جر من ھجر السیات**'' مہاجر وہ ہے جو گناہوں سے ہجرت کرے، گناہوں سے ہاتھ دھو کر دوری اختیار کرے تو یہ بھی ایک قسم کا مہاجر ہے کیونکہ وہ گناہوں سے جدا اور دور ہو گیا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے دنیا بھر کے تمام توّاب یعنی توبہ کرنے والے مہاجر ہوں گے۔ کیونکہ وہ گناہوں کو ایک طرف چھوڑ کر ان سے دور ہٹ چکے ہیں، ان سے ہجرت کر چکے ہیں، فضل بن عیاض اور بشر حانی جیسے لوگوں کی مثال یہاں پر پیش کی جا سکتی ہے۔

فضل بن عیاض ایک ایسا شخص ہے جو ابتداء میں چور اور ڈاکو تھا ایک مرتبہ اس کے اندر تبدیلی آئی گناہوں کو ترک کر کے حقیقی توبہ کر لی اور بعد میں اس کا شمار بزرگانِ دین میں ہونے لگا۔ نہ فقط خود متقی بن گیا بلکہ دوسروں کی تعلیم اور تربیت بھی کرنے لگا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ ایک نہایت ہی خطرناک ڈاکو تھا۔ لوگوں کو ہمیشہ اس سے خطرہ لاحق رہتا تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ وہ چوری کی غرض سے کسی کی دیوار پر چڑھا، ابھی وہ اُس طرف کو اترا نہیں تھا کہ مالکِ مکان، جو عابد و زاہد تھا، نماز تہجد، دعا اور قرآن پڑھنے میں مشغول تھا، اس کے قرآن پڑھنے کی محزوں اور غمگین آواز فضل کے کانوں میں پہنچی، اتفاق سے وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ

آیا ابھی وہ وقت نہیں کہ ایمان کے دعویٰ داروں کے دل یادِ خدا کے لئے نرم اور خاشع ہوں؟ [1]

یعنی قساوتِ قلبی کب تک؟ آیا ابھی تک خدا کی ذات کی طرف توجہ کرنے کا وقت نہیں آیا؟ آیا ابھی تک گناہوں سے دور ہونے کا وقت نہیں پہنچا؟

جب یہ آواز اس کے کانوں میں پہنچی گویا خود اس پر وحی ہو رہی تھی اس کی ذات اس آیت کی مخاطب تھی اس نے دیوار پر بیٹھے ہوئے کہا "کیوں نہیں خدایا؟ کیوں نہیں! اب اس بات کا وقت آن پہنچا ہے وہ فوراً دیوار سے اترا چوری، ڈاکے، شراب، جوئے اور ان تمام دوسرے گناہوں سے توبہ کر لی جن میں وہ مبتلا تھا گناہوں کو ترک کر دیا، ان سے ہجرت کر لی۔ اپنی ہستی کے مطابق دوسروں کے حقوق واپس کر دیئے، خدائی حقوق کو ادا کیا اور گذشتہ غلطیوں کی تلافی کی پس اس لحاظ سے یہ شخص بھی "مہاجر" ہے یعنی بدکاریوں اور گناہوں کو ترک کر دیا اور ان سے دور ہٹ گیا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانے میں بغداد میں ایک شخص "بشر حافی" رہتا تھا جسے اس وقت "بشر" کہتے تھے اس کا شمار بغداد کے امیر اور عیاش طبقے میں ہوتا تھا۔ ایک دن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس شخص کے مکان کے آگے سے گزر رہے تھے، اتفاقاً اس وقت گھر سے گانے بجانے کی آواز آ رہی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا میخواروں اور گانے بجانے والوں کا ہجوم ہے۔ امام علیہ السلام نے اس کنیز سے طنزیہ طور پر سوال کیا "یہ

---

[1] سورۂ الحدید: ۱۶

کس کا گھر ہے؟'' یہ غلام کا گھر ہے یا آزاد کا؟ کنیز نے تعجب کرتے ہوئے کہا، آپ نہیں جانتے یہ بشر کا گھر ہے جو بغداد کا امیر ترین شخص ہے؟ وہ کسی کا غلام ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ آزاد انسان ہے۔

امام نے فرمایا'' آزاد ہے تو یہ شور غل اس کے گھر سے آرہا ہے اگر بندہ ہوتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا'' یہ فرمایا اور آگے چل دیئے۔

بشر کنیز کی واپسی کا منتظر تھا۔ جب وہ دیرے سے واپس گئی تو اس نے تاخیر کا سبب دریافت کیا۔ کنیز نے کہا ایک شخص جس میں صالحین اور متقین کی علامات نمایاں تھیں زہد وتقویٰ اور عبادت کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر تھے ے دروازے کے آگے سے گزر رہا تھا جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا، اس گھر کا مالک آزاد ہے یا غلام؟ میں نے کہا آزاد۔

بشر نے پوچھا تو پھر اس نے کیا کہا؟ کنیز نے کہا: اس نے کہا'' آزاد ہے تو ایسا ہو رہا ہے اگر آزاد نہ ہوتا تو یوں کبھی نہ ہوتا۔

یہی کلمہ بشر کے دل میں اثر کر گیا۔ پوچھا وہ کس طرف کو گیا ہے؟ کنیز نے جواب دیا۔ ادھر کو یہ سنتے ہی وہ ادھر کو چلا گیا اور جوتا بھی نہیں سنبھالا۔ وہ آپ کی تلاش میں ننگے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے دل میں سوچا، یہ شخص امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس نے خود کو امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچایا۔ آتے ہی آپ کے پاؤں پر گر پڑا اور عرض کی'' مولا! میں چاہتا ہوں کہ اب کے بعد غلام ہو کر رہوں، خدا کا بندہ بن جاؤں۔ یہ آزادی نفسانی خواہشات کی آزادی ہے اور انسانیت کی غلامی اور اسارت میں ایسی آزادی نہیں چاہتا جس میں شہوت کی آزادی، نفسانی خواہشات کی آزادی، جاہ ومقام کی آزادی ہو اور عقل وفطرت کی قید ہو، نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب کے بعد خدا کا بندہ اور غیر اللہ کی قید سے آزاد ہو جاؤں'' اسی وقت اس نے امام علیہ السلام کے ہاتھوں پر توبہ کر لی، گناہوں سے یعنی اسی لحظے اس نے دوری اختیار کر لی گناہوں سے دور ہو گیا، گناہ کے تمام

اسباب کو دور پھینک دیا۔ گناہوں کی طرف پیٹھ کر لی اور اطاعت خداوندی کی طرف منہ کر لیا۔ ''المھاجر من ھجر السیات'' تو یہ شخص بھی ''مہاجر'' ہے کیونکہ اس نے گناہوں سے ہجرت کر لی ہے۔

اسی طرح کی تعبیر ''باب جہاد'' مین ہے: ''المھاجرُ من جاھد نفسہ'' مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔ مجاہد وہ ہے جو اپنے باطن میں ''نفسِ امارہ'' جو تمام انسانوں کے اندر موجود ہے جہاد سے کرے (ایک طرف نفس ہے اور دوسری طرف عقل ہے) اپنی خواہشات نفسانی کے ساتھ جنگ کرے۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں'' اشجع الناس من غلب ھواہُ'' شجاع ترین انسان وہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشات پر غالب آ جائے۔ حقیقی شجاعت یہی ہے۔

ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے کہ چند مسلمان جوانوں کو دیکھا جو بھاری پتھر اٹھا رہے تھے اور زور آزمائی کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موقع غنیمت سمجھا اور رک گئے۔ فرمایا: اگر آپ لوگ چاہیں تو میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں کہ تم میں سے کون زیادہ طاقتور ہے؟ سب نے مل کر کہا: ضرور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اور کون صحیح فیصلہ کر سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ضروری نہیں کہ آپ پتھر کو یہاں سے اٹھائیں کہ کون زیادہ طاقتور ہے؟ بلکہ تم میں طاقتور ترین انسان وہ ہے جب کبھی گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کرے، اسے نفس نے سخت مجبور کر دیا ہو کہ گناہ کو انجام دے لیکن وہ خواہشات نفسانی کا ڈٹ کر مقابلہ کرے وہ بہت بڑا طاقتور ہے۔ زیادہ طاقتور وہ ہے جسے نفسانی خواہشات گناہ کرنے پر مجبور نہ کر سکیں۔ سب سے زیادہ طاقتور مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ شجاع وہ ہے جو نفس کے مسئلے میں اپنے اوپر قابو پا لے۔

''پوریاولی جس کا دنیا کے مشہور پہلوانوں میں شمار ہوتا ہے اور کھلاڑی اور پہلوان لوگ بھی اسے جوانمردی، شجاعت اور عرفان کا مظہر سمجھتے ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ کسی دوسرے ملک کے پہلوان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے وہاں گیا۔

شب جمعہ تھی دیکھا کہ ایک بڑھیا خیرات کا حلوہ بانٹ رہی ہے۔ وہ اسے نہیں پہچانتی تھی کہ نامور پہلوان پوریا ولی یہی ہے۔ وہ حلوہ بانٹ رہی تھی اور لوگوں سے التماس دعا بھی کررہی تھی۔ اس نے پوریا ولی کوحلوہ دیتے ہوئے کہا'' دعا کرو میری ایک حاجت پوری ہوجائے، اس نے پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟

بڑھیا نے کہا'' میرا بیٹا اپنے ملک کا نامور پہلوان ہے ایک دوسرے ملک کے پہلوان سے اس کا مقابلہ ہے اپنی زندگی اپنے بیٹے کی پہلوانی کی درآمد سے بسر کررہی ہوں اگر میرا بیٹا اس سے پچھڑ جائے تو نہ صرف یہ کہ اس کی عزت خاک میں مل جائے گی بلکہ ہماری زندگی بھی تباہ ہو جائے گی اور میں بوڑھی عورت بھی ختم ہو جاؤں گی۔ لہٰذا اس کی کامیابی کی دعا کرو۔

پوریا نے کہا'' مطمئن رہو میں اس کی کامیابی کی ضرور دعا کروں گا''۔

اس نے سوچا کہ کل میدان مقابلہ میں کیا کیا جائے؟ اگر میں اس سے طاقتور ہوا تو اسے پچھاڑوں یا نہ؟ آخرکار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ درحقیقت پہلوان وہ ہے جو اپنی خواہشات پر قابو پالے'' تاریخ مقررہ پر وہ میدان میں آیا اور اپنے حریف کے ساتھ زور آزمائی میں مصروف ہوگیا۔ اس نے اپنے مقابل کو کمزور پایا وہ فوراً اسے پچھاڑ سکتا تھا لیکن اس خیال سے کہ کوئی شخص اس طرف متوجہ نہ ہو کافی دیر تک اس سے زور آزمائی کرتا رہا۔ پھر وہ سست ہوگیا اور حریف اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھ گیا۔

لکھا ہے کہ اسی وقت اس نے محسوس کیا کہ خداوند عالم نے اس کے دل کو کشادہ کردیا ہے گویا وہ ملکوت کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس نے ایک لحظہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ اس کے بعد اس کا شمار اولیاء اللہ میں ہونے لگا کیوں؟ اس لئے کہ'' **المجاھد من جاھد نفسه**'' چونکہ **اشجع الناس من غلب**

ھو اہ۔ چونکہ اس نے ایسی پہلوانی کا مظاہرہ کیا ہے جو تمام پہلوانیوں سے بالاتر ہے [1]

اس سے بڑھ کر علی علیہ السلام کی عمر بن عبدود کے ساتھ لڑائی کی داستان ہے۔ عمرو ایسا طاقتور پہلوان تھا جسے ''فارسِ یل یل'' کہتے تھے جو ہزار انسانوں کے ساتھ تنہا لڑتا تھا۔ جنگ خندق میں مسلمان خندق کے اس طرف اور دشمن خندق کے اس پار تھا دشمن نے خندق پار کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود آخر عمر بن عبدود سمیت چند لوگ کسی نہ کسی طرح خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس نے گھوڑے کو جولان دی اور بلند آواز سے ''**ھل من مبارز ؟**'' (کوئی مقابلہ کرنے والا ہے) کہا چونکہ مسلمانوں کو اس کی طاقت کا پہلے سے علم تھا کسی کو اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں جانے کی جرأت نہ ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے جاتے ہی مارے جائیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کون اس شخص کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں جاتا ہے؟ کسی نے کوئی جواب نہ دیا سوائے بیس پچیس سال کے ایک نوجوان نے اور وہ علی بن

---

[1] البتہ آج کے دور میں ورزش کے دوران اس قسم کے روحانی مظاہرے نہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگلے وقتوں میں پہلوان حضرات حضرت علی علیہ السلام کو پہلوانی اور طاقت کا مظہر سمجھتے تھے کیونکہ علیؑ دونوں محاذوں میں مرد میدان تھے۔ انسانوں کے ساتھ میدان جنگ میں بھی اور نفس کے ساتھ میدان جہاد میں بھی۔

وقت خشم و وقت شہوت مرد کو؟
طالب مرد چینیم کو بہ کو

(غضب اور شہوت کے وقت کون مرد میدان ہے؟ ہر ہر گلی اور کوچے میں مجھے ایسے مرد میدان کی تلاش ہے) یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ پہلوانی کا ظاہری زور روحانی اور معنوی شجاعت کے ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ پہلوان کبھی کبھی ہوائے نفس کا اسیر نہیں ہوتا تھا جو پہلوان ہوتا تھا جب اس کی نگاہ نامحرم پر پڑتی تو آنکھیں فوراً جھک جاتی تھیں۔ لوگوں کی ناموس پر اس کی نگاہ نہیں اٹھتی تھی، ضمیر پہلوانی اسے اس بات کی اجازت دیتا تھا کہ وہ غیر محرم پر آنکھ اٹھائے، زنا کرے شراب پیئے، جھوٹ بولے، کسی پر تہمت لگائے کسی کی خوشامد اور چاپلوسی کرے۔ یہ سب چیزیں پہلوانی کی شان کے خلاف ہیں۔ کیونکہ پہلوان صرف وہ نہیں ہوتا جو کسی کو پچھاڑ دے یا بھاری وزن اٹھا لے بلکہ اہم یہ ہے کہ وہ نفس امارہ پر بھی قابو پالے۔

ابی طالب علیہ السلام تھے۔

عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نہیں تم بیٹھ جاؤ۔ادھر سے پھر ایک مرتبہ عمرو کی آواز آئی ''هل من مبارز؟'''' پھر بھی علی علیہ السلام کے سوا کوئی کھڑا نہ ہوا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''علی علیہ السلام جان فی الحال بیٹھ جاؤ'' تیسری یا چوتھی مرتبہ جب اس نے مبارزطلبی کی تو حضرت عمر بن خطاب اپنی جگہ سے اٹھے اور دوسرے مسلمانوں کی طرف سے معذرت خواہی کے انداز میں کہنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی شخص جواب نہیں دیتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معذرت چاہ رہے ہوں کیونکہ کوئی بھی اس کے ساتھ مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا''

آخر کار علی علیہ السلام میدان میں آئے عمرو کو پچھاڑ کر اس کے سینے پر چڑھ گئے۔ چاہتے تھے کہ اس کا سر بدن سے جدا کر دیں کہ

او خداوند انداخت بر روی علیؑ

افتخار ہر نبی و ہر ولی

عمرو گستاخی کرتے ہوئے علیؑ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا، آپ اس کے اوپر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ٹہلنے لگ گئے اور کچھ دیر کے بعد دوبارہ آئے اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔عمرو نے پوچھا! کیوں اٹھے اور پھر کیوں آ گئے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، تو نے میرے منہ پر لعاب پھینکا تو میں غصے میں آ گیا، مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ اگر اسی غصے کی حالت میں تیرا سر تن سے جدا کروں تو اس میں خواہشات نفسانی کا دخل ہوگا۔لہٰذا ہٹ گیا، اب جب کہ وہ حالت ختم ہو گئی ہے دوبارہ آ گیا ہوں میں خدا کی راہ میں تلوار چلاتا ہوں نہیں چاہتا کہ اس میں غیر خدا کا دخل ہو''

اسے کہتے ہیں پہلوان، اسے کہتے ہیں مجاہد اور اسے کہتے ہیں شجاع۔

پس ہجرت کا ایک معنی یہ ہوا کہ شہر گناہ سے دوری اختیار کر لینا'' اور جہاد کا ایک معنی یہ ہوا کہ خواہشات نفسانی کے ساتھ مقابلہ کرنا'' تو کیا یہ تعبیر درست ہے یا نہیں؟ تو یہ

ایک لحاظ سے درست ہے، لیکن اس کی گمراہ کن تفسیر بھی کی گئی ہے۔ٹھیک ہے کہ **المهاجر من هاجر السیات** کو بھی اولیاء دین نے بیان فرمایا ہے۔ اور **المجاهد من جاهد نفسه** کو بھی اولیاء دین نے ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ ''جہادِ اکبر، جہاد بانفس ہے'' لیکن غلط بیانی اور گمراہ کن تفسیر اس مقام پر کی جاتی ہے کہ ہجرت صرف گناہوں سے بچنے اور جہاد صرف نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا نام ہے۔ یعنی جسمانی اور ظاہری ہجرت اور ظاہری اور بیرونی دشمن سے لڑنے اور جہاد کرنے کے معانی سے روگردانی کر لی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر بوقت ضرورت گھر بار، بال بچوں، دوستوں، رشتہ داروں، ماں باپ اور بہن بھائیوں کو خیر باد کہہ کر کسی اور جگہ چلے جانے کی بجائے گھر میں بیٹھ جائیں اور گناہوں کو خیر باد کہہ دیں تو ایسی صورت میں ہم ''مہاجر'' کہلائیں گے۔

اسی طرح راہ خدا میں دشمنان دین کے ساتھ لڑنے اور جنگ کرنے کی تکلیف اٹھانے کی بجائے گھر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر مراقبے کی حالت میں نفس کے ساتھ جہاد میں لگ جائیں تو ''مجاہد'' کہلائیں گے اور میدان جنگ میں لڑنے والے مجاہدین سے فضیلت میں زیادہ ہوں گے۔

جن لوگوں نے ہجرت سے مراد گناہوں سے ہجرت اور جہاد سے مراد نفس کے ساتھ جہاد کے معنی کو لے لیا ہے اور دوسرے معنی کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے یہ ان کی گمراہ کن غلط فہمی ہے۔

یاد رکھیئے اسلام میں دو تحریریں دو ہجرتیں ہیں اور دو جہاد اگر کسی وقت ایک کو دوسرے کے بہانے سے چھوڑ دیا جائے، راہ راست سے ہٹ جائیں گے اور اسلامی تعلیمات سے منحرف ہو جائیں گے۔

ہمارے اولیاء دین پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام آئمہ اطہار سب ''مہاجر'' تھے اور دونوں معانی کے لحاظ سے ''مہاجر'' تھے۔ ''مجاہد'' تھے اور دونوں معانی کے اعتبار سے ''مجاہد'' تھے۔

دراصل معنوی اور روحانی لحاظ سے کچھ ایسے درجات ہیں جن تک پہنچنے کے لئے ظاہری سیڑھیوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ انسان میدان جہاد میں جائے بغیر مجاہد کہلائے اور یا ہجرت کئے بغیر مہاجر کہلائے، نفساتی لحاظ سے بھی جب تک انسان اس کلاس کو مکمل نہ کرلے۔ اس میں وہ پختگی جو ہونی چاہئے نہیں آسکتی۔

اسلامی نقطہ نظر سے ازدواج کئی لحاظ سے ایک مقدس عمل ہے۔(برخلاف عیسائیت کے جس میں تجرد کو مقدس سمجھا جاتا ہے جبکہ اسلام عائلی زندگی کو مقدس سمجھتا ہے) آخر کیا وجہ ہے کہ اسلام نے عائلی زندگی کو تقدس کا درجہ دیا ہے؟ اس کے تقدس کا ایک پہلو روح انسانی کی تربیت بھی ہے۔ روح انسانی کی پختگی اور کمال کی ایک قسم ایسی ہے جو عائلی زندگی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ یعنی اگر ایک مرد یا ایک عورت ساری زندگی ازدواج کے بغیر گزاردے پھر بھی اس مجرد انسان کی روح ناپختہ رہتی ہے خواہ وہ زندگی بھر ریاضت کرتا رہے، نمازیں پڑھتا ہے، روزے رکھتا رہے، مراقبے میں بسر کردے پھر بھی اس کی روح خام اور ناپختہ رہتی ہے، اس کی وجہ یہ کہ وہ متاہل نہیں ہوا۔ خواہ مرد ہو یا عورت کیونکہ اسلام نے عائلی زندگی اور ازدواج کو سنت قرار دیا ہے اس کا یک سبب انسانی روح کی تربیت اور اسے پختہ کرنا ہے جو اسباب انسان کی روح کی تربیت کے لئے موثر ہیں ان کا اپنا ایک خاص مقام ہے جو ایک دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتے۔

اسی طرح ہجرت اور جہاد بھی ایسے اسباب ہیں۔ دوسرے اسباب جن کی جگہ نہیں لے سکتے جہاد بالنفس اپنی جگہ محفوظ اور گناہوں سے ہجرت اپنی جگہ لیکن ''ہجرت عملی'' ایک ایسی چیز ہے جس کی جگہ ''گناہوں سے ہجرت'' پر نہیں کرسکتی اس طرح دشمن سے جہاد ایک ایسی چیز ہے نفس سے جہاد جس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔

مختلف حالات میں افراد انسانی کا کیا فریضہ بنتا ہے؟ کیونکہ ہر وقت جہاد کے لئے حالات سازگار نہیں ہوتے، اسی طرح ہر وقت ہجرت کے لئے بھی حالات مناسب نہیں ہوتے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افراد کے فرائض کو معین فرمادیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایک مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ ہمیشہ صدق دل اور خلوص نیت کے ساتھ اس کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ اگر ضرورت پیش آجائے تو ہجرت بھی کرے گا اور اگر ضروری ہوگیا تو جہاد بھی۔ فرماتے ہیں

من لم يغز ولم يحدث نفسه بغز ومات على شعبة من النفاق

یعنی جو شخص جنگ نہ کرے اور نہ ہی جنگ کی بات کرے اور نہ ہی اس کی فکر کرے تو وہ نفاق کی حالت میں مرے گا۔

جن لوگوں کی نیت یہ ہے کہ اگر ہجرت کی ضرورت پڑگئی تو ہجرت کریں گے اور اگر جہاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو جہاد کریں گے تو اس بات کا امکان ہے کہ وہ مہاجرین اور مجاہدین کے درجے کو پالیں۔

قرآن فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾

وہ مسلمان جو راہ خدا میں مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور وہ مسلمان جو گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں (گھر میں بیٹھنے والوں سے مراد نافرمان نہیں ہیں کیونکہ ان کا شمار تو کسی کھاتے میں نہیں بلکہ کسی خاص عذر کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہیں کرسکتے اور گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں) [1] ہرگز ایک دوسرے کے ساتھ برابر نہیں ہیں، جو معذور ہیں نابینا ہیں،

---

[1] سورۂ انفال: ۹۵

اپاہج ہیں لیکن ان کی نیت یہ ہے کہ اگر یہ عیب ان میں نہ ہوتا اگر معذور نہ ہوتے جہاد فی سبیل اللہ میں دوسروں سے آگے آگے ہوتے، قرآن ایسے لوگوں کی نفی نہیں کر رہا۔ ممکن ہے کہ ایسے لوگ بھی مجاہدین میں شمار ہوں۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر درست ہے۔

جب امیر المومنین علیہ السلام جنگ صفین سے لوٹ رہے تھے تو ایک شخص نے آگے بڑھ کر عرض کیا ''یا امیر المومنین علیہ السلام میں چاہتا تھا کہ میرا بھائی بھی آپ کے ہمرکاب ہوتا اور اسے یہ فیض نصیب ہوتا'' تو حضرت نے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا مجھے یہ بتاؤ کہ اس کی نیت کیا تھی؟ اس کے دل میں کیا تھا؟ اس کا کیا ارادہ تھا۔؟ آیا تمہارا بھائی کسی عذر کی وجہ سے نہ آسکا؟ یا وہ بغیر عذر کے نہیں آیا؟ اگر کوئی عذر نہیں تھا اور نہ آیا تو بہتر یہی ہے کہ نہ آتا اور اگر عذر تھا اور نہیں آسکا لیکن اس کا دل اور ارادہ ہمارے ساتھ تھا اور اس کا مقصد یہی تھا کہ ہمارے ساتھ ہوتا تو پھر ہمارے ساتھ تھا بلکہ ہمارے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جو ابھی اپنے باپ کی صلب میں اور ماں کے رحم میں ہیں اور یہ سلسلہ روز قیامت تک چلا جائے گا اگر ایسے لوگ مل جائیں جن کی صمیم قلب سے یہ آرزو ہو کہ اے کاش ہم علی علیہ السلام کے ساتھ ہوتے اور اس کے ساتھ مل کر جنگ کرتے۔ تو ہمارے نزدیک ان لوگوں کا شمار اصحاب صفین میں ہے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے انتظار کا کیا معنی ہے؟ ''**افضل الاعمال انتظار الفرج**'' یعنی بہترین عمل امام زمانہ کے ظہور کا انتظار ہے۔ کا کیا مطلب ہے؟ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اس بات کے منتظر رہیں کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اپنے خاص اصحاب جن کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور عام اصحاب کے ساتھ ظہور فرمائیں گے روئے زمین پر سے دشمنان اسلام کا صفایا کر دیں گے۔ زمین پر مکمل امن و امان برقرار فرمائیں گے پھر ہم سے کہیں گے۔ ''تشریف لائیے'' ہمیں ایسے ظہور کا انتظار ہے اور یہی انتظار بہترین عمل ہے؟

ظہور کے انتظار کا مطلب امام زمانہ کے ہمرکاب ہونا ان کی خدمت میں رہ کر جہاد

کرنا اور شہید ہوجانا ہے۔ یعنی راہِ حق میں حقیقی مجاہد ہونے کی آرزو، انتظار کی آرزو کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کسی کو کہیں کہ تم جاؤ اور تمام کام انجام دو اور جب تمام کام مکمل ہوجائیں اور فائدہ اٹھانے کا وقت آئے تو ہم آجائیں گے۔ یعنی تکلیفیں دوسرے لوگ اٹھائیں اور فائدہ ہم حاصل کریں۔ قوم موسیٰ علیہ السلام کی مانند جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾

یعنی آپ اور آپ کا رب جایئے اور دشمن سے جنگ کیجئے ہم پر بیٹھے ہیں۔ [۱]

یہ جملہ انہوں نے اس وقت کہا جب وہ فلسطین کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ جنگجو افراد کا ایک گروہ وہاں پر بیٹھا ہوا ہے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اور آپ کا خدا جایئے دشمن سے جنگ کیجئے جب ان کا صفایا ہوجائے گا ''زمین دشمن کے وجود سے خالی ہو جائے گی گھروں کو صاف ستھرا کر کے ہمیں اطلاع کرنا کہ اب کس قسم کے خطرے کا وجود باقی نہیں رہا تو ہم آجائیں گے اور اطمینان کی زندگی بسر کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر تمہارا کیا فرض بنتا ہے؟ تم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ تم دشمن کو اپنی سرزمین سے باہر دھکیل دو ان کا قبضہ اپنی زمینوں پر سے ختم کراؤ، اپنے گھروں کو دشمن کے وجود سے پاک کرو، یہ تمہارا فریضہ ہے۔

مقداد جیسے اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم قوم موسیٰ کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو نہیں کریں گے۔ وہ باتیں نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیں۔ ہم یہ عرض کریں گے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں حکم دیں کہ خود سمندر میں ڈال دو تو ڈال دیں گے۔ اگر حکم دیں کہ خود کو آگ میں پھینک دو'' پھینک دیں گے''۔

اسی طرح ظہور کے انتظار کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہمارے دل میں خالص نیت

[۱] سورۂ مائدہ: ۲۴

کے ساتھ یہ بات ہو کہ امام زمانہ کی خدمت میں رہ کر دنیا کی اصلاح کریں گے،

یَالَیۡتَنَا کُنَّا مَعَکُمۡ فَنفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا

اے کاش ہم آپ کے ساتھ ہوتے اور بہت بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوجاتے

یہ وہ جملہ ہے جو ہم ہمیشہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے کہتے رہتے ہیں لیکن اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے ہمارے آقا مولا! کاش کہ ہم کربلا میں آپ کی خدمت میں ہوتے اور شہید ہو کر شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کرتے۔ آیا اس قسم کا دعویٰ از روئے حقیقت ہے؟ بعض لوگ ہیں جو حقیقت کی بنا پر یہ دعویٰ کرتے ہیں لیکن اکثر لوگ صرف زبانی کلامی طور پر زیارت نامہ میں یہ الفاظ کہتے ہیں، یہ ان کا صرف زبانی دعویٰ ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشورا فرمایا ''میں اپنے اصحاب سے زیادہ بہتر اور باوفا کسی کے اصحاب کو نہیں سمجھتا'' ایک بزرگ شیعہ عالم نے کہا تھا کہ مجھے یہ باور نہیں تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ جملہ فرمایا ہو کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ امام علیہ السلام کے اصحاب نے کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہیں دیا، کیونکہ دشمن نے شقاوت اور سنگدلی کی حد کر دی تھی حسین علیہ السلام آخر امام تھے، فرزند پیغمبر تھے، امام زمانہ تھے۔ علی علیہ السلام اور زہرا علیہا السلام کے بیٹے تھے۔ ایسے حالات میں اگر ایک عام مسلمان بھی ہوتا تو آپ کی مدد کرتا۔ لہٰذا جن لوگوں نے میدان کربلا میں آپ کی نصرت کی کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا اور جن لوگوں نے نصرت نہیں کی بہت غلط کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم مجھے اس غلط فہمی جہالت اور غفلت سے باہر نکالنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ کربلا کا میدان ہے اور میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا ہوا ہوں اور آپ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا ''مولا میں آپ علیہ السلام کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ علیہ السلام کی امداد کروں اور آپ کا صحابی بنوں'' امام علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے جب وقت آئے گا تو

تمہیں آگاہ کر دیا جائے گا'' یہاں تک کہ (ظہر کی) نماز کا وقت آ گیا ہم نے مقتل کی کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ نماز کے وقت سعید بن عبداللہ حنفی اور بعض دوسرے اصحاب نے اپنے آپ کو امام علیہ السلام کے آگے ڈھال بنا دیا اور امام نے نماز ادا کی ابا عبداللہ حسین علیہ السلام نے فرمایا ہم نماز ادا کرنا چاہتے ہیں اور تم یہیں رکے رہو تا کہ جب دشمن کی طرف سے کوئی تیر آئے تو تم آگے بڑھ کر اسے روک لینا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے میں یہیں رہوں گا۔ میں امام علیہ السلام کے آگے کھڑا ہو گیا اور وہ نماز میں مشغول ہو گئے۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک تیر بڑی تیزی کے ساتھ امام علیہ السلام کی طرف آ رہا ہے جب وہ نزدیک آ پہنچا تو بے اختیار میں نے اپنے آپ کو پیچھے ہٹا لیا اور وہ امام کے مقدس بدن پر جا لگا۔ میں نے کہا ''**استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ**'' یہ میں نے کیا کیا؟ بہت غلط کیا میں نے۔ اب ایسا نہیں کروں گا۔ اتنے میں ایک اور تیر آیا میں نے پھر خود کو پیچھے ہٹا لیا اور تیر امام علیہ السلام کے بدن پر جا لگا۔ اسی طرح تیسری اور چوتھی مرتبہ میں نے یہی کیا اور تیر امام علیہ السلام کو لگتے رہے۔

اچانک میں نے امام کی طرف دیکھا آپ نے مسکرا کر فرمایا'' **ما رایت اصحاباً ابرو اوفی من اصحابی**'' میں اپنے اصحاب سے بڑھ کر بہتر اور باوفا اصحاب کسی کے نہیں دیکھے۔ تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر ''**يَالَيْتَنَا كُنَّا مَعَكُمْ فَنَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا**'' تو ہر وقت کہتے رہتے ہو عمل کے وقت معلوم ہوگا ایسے ہو بھی سہی؟ میرے اصحاب مرد عمل تھے نہ زبانی دعویدار۔

بات خود بخود یہاں تک پہنچ گئی تقریباً ظہر کی نماز کا وقت بھی آن پہنچا ہے۔ وہی ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کی نماز کا وقت عاشورا کے دن مولا کے بہت سے اصحاب ظہر سے پہلے شہید ہو گئے یعنی ظہر عاشورا تک آپ کے کچھ اصحاب، تمام اہلبیت اور خود امام علی مقام بقید حیات تھے۔ اصحاب کی شہادت کا پہلا مرحلہ اس وقت تھا جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے اور تیر چلنا شروع ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام کا ایک چھوٹا سا لشکر جس کی کل تعداد ۷۲ تھی لیکن ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور بے نظیر تھے اور

بے نظیر شجاعت کے مکمل آثار موجود تھے حسین علیہ السلام کا چہرہ شجاعانہ انداز میں چمک رہا تھا۔ اسی مختصر سی فوج کو باقاعدہ فوج کی مانند منظم کیا۔ میمنہ میسرہ، قلب اور کمانڈر میمنہ پر جناب زہیر بن قین کو میسرہ پر حضرت حبیب بن مظاہر کو مقرر کیا اور فوج کا علم اپنے بہادر اور وفادار بھائی ابوالفضل العباس علیہ السلام کو عطا فرمایا یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام کو ''علمدار حسین علیہ السلام کہتے ہیں۔

جب فوج منظم ہوگئی تو اصحاب نے اجازت چاہی کہ جنگ کا آغاز کریں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ''نہیں جب تک دشمن جنگ کی ابتدا نہ کرے ہم جنگ شروع نہیں کریں گے۔

عمر بن سعد نے شروع شروع میں تولیت ولعل سے کام لیا وہ چاہتا تھا کہ دین اور دنیا دونوں کو حاصل کرے۔ ہم خرما ہم ثواب کے مصداق وہ چاہتا تھا کہ رے کی حکومت بھی ابن زیاد سے حاصل کر لے اور امام حسین علیہ السلام کے خون سے بھی اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرے۔ ابن زیاد کے نام مسلسل صلح پر مبنی خطوط لکھتا رہا تا کہ جنگ نہ ہونے پائے ابن زیاد اصل معاملے کو سمجھ گیا اس نے تہدید آمیز خط لکھا یا تو جنگ کا کام فوراً ختم کرو، یا اگر ایسا نہیں کرنا چاہتے تو جنگ کا تمام چارج اس آدمی کو سنبھالنے دو جسے میں یہ خط دے کر بھیج رہا ہوں اب اسے دین اور دنیا کے درمیان فیصلہ کرنا تھا یا بالکل دین یا بالکل دنیا وہ دنیا کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ لہٰذا دین کو دنیا پر قربان کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا میں جنگ کروں گا اور اپنے امیر کے فرمان کی اطاعت کروں گا'' عاشورا کے دن اگر عمر ابن سعد رذالتوں کا اظہار کرتا رہا ہے تو اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ سوچتا تھا کہ ممکن ہے کہ ابن زیاد کو ایسی رپورٹیں ملی ہوں جن سے ظاہر ہو کہ میں حسین علیہ السلام کی جانبداری کر رہا ہوں کر رہا ہوں، لہٰذا ابن زیاد کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنی روسیاہی کو دور کرنے کے لئے اس نے عاشورا کے دن اپنی طرف سے کئی رذیلانہ حرکتیں کیں۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اس نے اپنے تیر اندازوں کو تیار ہو جانے

کا حکم دیا۔ جب سب تیار ہو گئے تو سب سے پہلے اس نے اپنا تیر امام مظلوم کے خیام کی طرف چلایا اور چیخ کر کہا: لوگو گواہ رہنا سب سے پہلے میں حسین علیہ السلام کے خیموں کی طرف تیر چلا رہا ہوں اور اس بات کی گواہی ابن زیاد کے پاس بھی دینا[1]

جب میں یہاں پر پہنچتا ہوں تو مجھے بزرگوار عالم دین مرحوم آیتی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے بہترین دوست جو تقریباً دس سال پہلے ہم سے بچھڑ چکے ہیں کا وہ مصائب یاد آجاتا ہے جو یا تو میں نے ان سے سنا تھا یا ان کی کسی کتاب میں پڑھا کہ جنگ کربلا ایک تیر سے شروع ہوئی اور ایک تیر پر ہی ختم ہوئی عمر سعد نے جو تیر چلایا تھا اس سے تو شروع ہوئی لیکن آپ جانتے ہیں کہ کس تیر پر ختم ہوئی؟ ایک وقت ایسا آ گیا کہ جنگ کی نوعیت بدل گئی اور جنگ دو فریقوں کی نوعیت سے نکل کر یک طرفہ صورت اختیار کر گئی اور یہ اس وقت ہوا جب ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام میدان میں اکیلے رہ گئے تھے۔ داد شجاعت دینے کے بعد تھ چکے تھے کہ اچانک ایک پتھر آپ کی پیشانی پر آلگا۔ امام نے خون پونچھنے کے لئے قمیض کا دامن اوپر اٹھایا ہی تھا کہ ایک تیر آپ کے سینے پر آلگا۔ امام کی جنگ ختم ہو گئی۔ اب جنگی نعرہ لگانے کی بجائے حسین علیہ السلام مناجات مین مشغول ہو گئے فرماتے ہیں۔

بسم اللہ و باللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں ایک شخص عابس بن ابی شبیب شاکری تھے جو نہایت ہی بہادر انسان تھے سید الشہداء کی شجاعت کی جھلک ان میں پائی جاتی تھی میدان میں آئے۔ مبارز طلبی کی کسی کو ان سے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اور کوئی سامنے نہیں آیا۔ عابس ناراض ہو کر پلٹ آئے۔ خود کو سر سے اتار دیا زرہ بدن سے اتار لی غرض جنگی لباس اتار کر پھر میدان میں آ گئے اور کہنے لگے ''اب آؤ عابس کے ساتھ جنگ کرو'' مگر پھر بھی کسی نے سامنے آنے کی جرأت نہ کی لیکن بزدلانہ حملہ کر دیا۔ پتھروں تیروں اور ٹوٹی ہوئی

---

[1] اتفاق سے اس عمر کا باپ سعد بن ابی وقاص بھی ایک نہایت ماہر تیر انداز تھا اس کی تیر اندازی عربوں میں بہت مشہور تھی اس نے بہت سی اسلامی جنگوں میں شرکت کی۔

تلواروں سے حملہ کر کے شہید کر دیا۔

امام عالی مقام علیہ السلام کے اصحاب نے عاشورا کے دن شجاعت کے وہ جوہر دکھائے جو قیامت تک یادگار رہیں گے، صدق اور صفا اور وفاداری کی زندہ مثالیں رہتی دنیا تک چھوڑ گئے۔ مرد تو خیر مرد ہی تھے ہی خواتین نے بھی جرأت کی مثالیں قائم کی ہیں۔ تاریخ انسانیت میں ان کی شجاعت اور جرأت کے کارنامے ایسے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔

جناب عبداللہ بن عمیر کلبی امام کے وہ صحابی ہیں جن کی والدہ اور زوجہ بھی میدان کربلا تھیں بہت طاقتور اور شجاع تھے۔ جب وہ میدان میں جانے لگے تو زوجہ نے آگے بڑھ کر روک لیا کہنے لگیں'' آپ کہاں جارہے ہیں؟ مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر جارہے ہیں؟'' بیٹے! خبردار کہیں عورت کی باتوں میں نہ آجانا۔ آج امتحان کا دن ہے اگر آج تم نے اپنے کو امام کی ذات پر قربان نہ کیا تو دودھ کا حق کبھی نہیں بخشونگی'' عبداللہ میدان میں جاتے ہیں داد شجاعت دینے کے بعد شہید ہوجاتے ہیں۔ بیٹے کی شہادت کے بعد عبداللہ کی بڑھیا ماں خیمے کی چوب لے کر دشمن پر حملہ کرتی ہیں۔ امام نے آگے بڑھ کر اسے روک لیا اور فرماتے ہیں۔

''اے خاتون! واپس چلی جائیں خدا نے عورتوں پر جہاد واجب نہیں کیا''

وہ اپنے مولا کے فرمان پر عمل کر کے واپس لوٹ آتی ہیں۔ لیکن دشمن رذالت پر اتر آیا۔ اس نے اس شہید کا سرتن سے جدا کر کے اس کی ماں کی طرف پھینک دیا۔ ماں نے جواں بیٹے کے سر کو سر سینے سے لگایا منہ چوما آفرین دی، شاباش میرے بیٹے میں تجھ سے راضی ہوں۔ اپنا دودھ حلال کر دیا اور کہا'' ہم راہ خدا میں دی ہوئی چیز کو واپس نہیں لیتے''

جن لوگوں نے امام حسین علیہ السلام سے جہاد کی اجازت مانگی ان میں سے ایک دس بارہ سال کا بچہ بھی تھا تلوار کمر سے باندھے ہوئے مولا کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی'' مجھے بھی میدان جنگ میں جانے کی اجازت دیجئے'' تاریخ کہتی ہے'' **وخرج شاب**

قتل ابوہ فی المعرکۃ'' یہ وہ بچہ تھا جس کا باپ پہلے ہی میدان میں شہید ہو چکا تھا۔امام نے فرمایا''تم بچے ہو،تم نہ جاؤ''عرض کیا نہیں مجھے ضرور جانے دیجئے''امام نے فرمایا''شاید تمہاری والدہ راضی نہ ہوں'' کہا،''یا ابا عبداللہ ان امی قد امرتنی'' آقا! میری ماں ہی نے تو مجھے حکم دے کر بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اگر تو نے خود کو امام حسین علیہ السلام پر قربان نہ کیا تو تجھ سے کبھی راضی نہیں ہوں گی''

یہ بچہ اس قدر مہذب، اس قدر مؤدب اور باترتیب ہے کہ اپنے لئے اعزاز کی ایسی مثال قائم کر گیا کہ کوئی دوسرا شہید ایسا نہ کر سکا۔ جو مجاہد بھی میدان میں جاتا تھا اپنا تعارف کراتا تھا لیکن اس بچے نے اپنا تعارف نہیں کرایا جس کی وجہ سے تاریخ نے اس بچے کا نام ذکر نہیں کیا کہ یہ بچہ کون تھا؟ کس صحابی کا فرزند تھا؟ مقتل کی کتابوں نے بھی اس کا نام نہیں لکھا ہے۔صرف یہی لکھا ہے کہ''وخرج شاب قتل ابوہ فی المعرکۃ'' آخر کیوں؟ کیا اس نے رجز نہیں پڑھا ہوگا؟ کیوں نہیں پڑھا،لیکن اچھوتے انداز میں کہ کسی نے اسے اختیار نہیں کیا، جب وہ میدان میں گیا تو یہ رجز پڑھنا شروع کیا

امیری حسین و نعم الامیر

لوگو! میرے تعارف کے لئے بس یہی کافی ہے کہ میرا آقا اور مولا حسین علیہ السلام ہے

اللھم ارزقنا توفیق الطاعۃ وبعد المعصیۃ وصدق النیۃ وعرفان الحرمۃ واکرمنا بالھدیٰ والاستقامۃ وسدد السنتنا باالصواب والحکمۃ واملاء قلوبنا بالعلم والمعرفۃ

خداوند ہمارے دلوں کو نور ایمان سے منور فرما۔ہمیں صحیح معنوں میں دین اسلام کا مہاجر اور مجاہد بنا ہر محاذ پر مسلمانوں اور ان کے دشمنوں پر کامیابی عطا فرما۔ یہودیوں کی برائیوں کو ان کی طرف ہی

پلٹا۔

خداوندا مسلمان مریضوں اور جنہوں نے دعا کی سفارش کی ہے، شفاء کاملہ و عاجلہ عطا فرما۔ امام زمان عجل اللہ فرجہ کے مقدس دل کو ہم سے راضی فرما۔ ہمارے مردوں کو غریق رحمت فرما۔

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم وصلی اللہ علی محمد والہ الطاہرین

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین باری الخلائق اجمعین والصلوۃ والسلام علی عبداللہ ورسولہ وحبیبہ وصفیہ وحافظ سرہ ومبلغ رسالاتہ سیدنا ونبینا و مولانا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاھرین المعصومین

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾ [1]

گذشتہ روز ہجرت اور جہاد جیسے دو اصولوں پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ ہجرت اور جہاد دو ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود اسلام میں ہے اور قرآن میں ان دونوں کا بار بار ایک ساتھ ذکر آیا ہے۔ ہماری آج کی بحث درحقیقت گذشتہ روز کی بحث کا تتمہ ہے۔ آج ہم بتائیں گے کہ دو مفاہیم اخلاقی اور اجتماعی نقطہ نظر سے روح کی تربیت اور اس کی تکمیل میں کتنی حد تک مؤثر ہیں؟ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہجرت اور جہاد کی تعبیر میں افراط سے کام لیا

---

[1] سورۂ نساء: ۱۰۰

گیا ہے اور اس کی حقیقت کو بھی بیان کیا ہے۔

ذرا توجہ کیجئے کہ اگر ہم ہجرت اور جہاد کی روح کو تمام جہات سے چاہے وہ مادی ہوں یا معنوی دیکھنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوگا کہ ''ہجرت'' یعنی جدا ہونا خود کو اس چیز سے جدا کرنا جس سے انسان چمٹا ہوا ہے یا ہو چیز انسان سے چمٹی ہوئی ہے اور ''جہاد'' یعنی لڑائی خواہ جہاد، دشمن کے ساتھ ہو یا جہاد نفس کے ساتھ۔

ہجرت اور جہاد ایسی دو چیزیں ہیں اگر نہ ہوں تو انسان کے لئے زبوں حالی اور قید و اسارت کے سوا اور کچھ باقی نہ رہ جائے، یعنی انسان صحیح معنوں میں اس وقت انسان کہلاتا ہے جب وہ ایسی چیزوں سے خود کو جدا کرے جو اس سے چمٹی ہوئی ہیں یا وہ خود ان سے چمٹا ہوا ہے اگر انسان ایسے مادی ماحول میں یا معنوی ماحول میں ایسا پھنسا ہوا ہو جس سے نہ نکل سکتا ہو تو ایسا شخص صحیح معنوں میں آزاد کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ اسیر زبون اور بے چارہ انسان ہوگا۔

اگر ہم ظاہری ہجرت کو لے لیں، (یہاں پر کلی طور پر سفر مراد ہے) تو یہ بھی اپنی جگہ پر ایک مسئلہ بن جاتا ہے کہ آیا انسان کے لئے سفر بہتر ہے یا گھر میں رہنا؟ (البتہ اس سے یہ بھی مراد نہیں انسان ہمیشہ سفر میں رہے کسی بھی وقت گھر میں نہ آئے گھر میں نہ آئے، اس کا کوئی وطن نہ ہو) آیا انسان کے لئے بہتر ہے کہ ہمیشہ ایک ہی وطن میں موجود رہے اور کسی بھی وقت اسے دنیا کا سفر نہ کرنا پڑے؟ یا سفر انسان کے لئے مفید ہے؟ سفر بھی بجائے خود ایک ہجرت ہے۔

اسلام میں کلی طور پر سفر کی تعریف کی گئی ہے۔ اگر چہ سیر و سیاحت اس معنی کے لحاظ سے جیسا کہ گذشتہ زمانے میں لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے اور ان کا ایک جگہ پر کہیں بھی ٹھکانہ نہیں تھا (اگر تشبیہ درست ہو تو آج کی اصطلاح میں انہیں ٹورسٹ کہتے ہیں) تو یہ صحیح نہیں ہوگا لیکن اگر انسان ہمیشہ ایک گاؤں میں ہی زندگی بسر کرتا رہے اور کبھی اس گاؤں سے باہر نہ آئے یا ایک شہر میں رہ رہا ہو اور کبھی اس سے باہر نہ نکلے، یا ایک ملک میں زندگی

بسر کرر ہا ہو اور کبھی اس ملک سے باہر نہ نکلے تو یہ چیز انسان کی روح کو کمزور اور زبون کر دیتی ہے۔

اس کے برخلاف اگر انسان کو سفر کی توفیق حاصل ہو خصوصاً درجات اور کمال کے حاصل کرنے اور فضیلت اور برتری کو ڈھونڈنے کے لئے توفیق حاصل ہو جائے تو اس میں پانچ قسم کے فائدے ہیں۔

۱۔ **تَفَرُّجُ هَمٍّ**: انسان کے دل سے رنج وغم اور ھَمٍّ اور اندوہ دور ہوتا ہے اور ایک طرح کی تفریح نصیب ہوتی ہے جب تک انسان ایک ماحول میں رہتا ہے تو زندگی کے گذشتہ ناخوشگوار حالات اسے یاد آتے ہیں، رنج وغم، دکھ اور درد تلخ اور خوشگوار واقعات رہ رہ کر اسے یاد آتے رہتے ہیں اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے لیکن جونہی اس نے سفر کا قصد کیا اور شہر کے دروازے سے باہر قدم رکھا تو تمام ناخوشگوار یادیں اور تلخ واقعات کافور ہو گئے تو اس کا سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ انسان رنج وغم سے چھٹکارا پاتا ہے، کم از کم انسانی روح جو ہمیشہ گذشتہ واقعات کو یاد کر کے پریشان اور کڑھتی رہتی ہے کچھ عرصہ کے لئے تو سکھ کا سانس لیتی ہے۔

۲۔ **وَاكتِسابُ مَعِيْشَةَ**: اگر کسی میں استعداد ہو تو سفر کے ذریعہ روزی بھی کما سکتا ہے۔ روزی کے کمانے اور زندگی کے سدھارنے کے لئے انسانی فکر کو محدود نہیں ہونا چاہئے۔ بسا اوقات جب انسان ایک ماحول سے نکل کر دوسرے ماحول میں جاتا ہے تو اپنی لیاقت اور استعداد کے ذریعے اپنی زندگی کو سنوار سکتا ہے جب دوسرا ماحول اس کے لئے بہتر ہوتا ہے تو ہو اپنی زندگی کو بہتر انداز میں سنوار سکتا ہے۔

۳۔ **وَعِلم**: روزی کمانے کے علاوہ علم بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہر عالم کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے آپ کے شہر میں بہت جید علماء رہتے ہوں لیکن ہر پھول کی اپنی خوشبو ہوتی ہے۔ دوسرے شہر میں رہنے والا عالم ہوسکتا ہے علمی لحاظ سے آپ کے عالم کے ساتھ برابری نہ کر سکتا ہو لیکن اس کی اپنی ایک دنیا ضرور ہوتی ہے۔ جب

آپ اس دوسری دنیا کو دیکھیں گے تو آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ایک دوسری علمی دنیا سے آشنا ہوں گے اور دوسرے علوم حاصل کریں گے۔

۴۔ آداب: تمام اخلاق و آداب ایسے نہیں ہوتے کہ انسان کو گھر بیٹھے مل جائیں، کیونکہ اگر (انسان بشرطیکہ غیر پختہ سفر نہ کرے کیونکہ ایسی صورت میں اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکے گا) ان دیکھی چیزوں کو دیکھے اور واپس لوٹ آئے تو سفر اور ہجرت نے اس کی روح میں پختگی ایجاد کی ہوگی دوسری کوئی ایجاد کی ہوگی دوسری کوئی چیز ایسی پختگی ایجاد نہیں کر سکتی حتیٰ کہ کتاب پڑھنے سے بھی پختگی نصیب نہیں ہو سکتی۔

اگر انسان مثلاً اسلامی ملکوں کا سفر نہ کرے اور کہے کہ سفر کرنے کی بجائے مطالعہ کروں گا اور کتاب پڑھوں گا سب کچھ حاصل ہو جائے گا تو یاد رکھئے اسے وہ کچھ حاصل نہیں ہوگا جو کہ سفر کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔اس میں شک نہیں ہے کہ کتاب پڑھنا بڑی اچھی بات ہے، مطالعہ ایک مفید چیز ہے۔لیکن کتاب کا مطالعہ اپنی جگہ اور سفر اپنی جگہ، مطالعہ کبھی بھی سفر کا جانشین نہیں ہو سکتا۔قرآن مجید میں کچھ ایسی آیات ہیں جن میں سفر کرنے اور زمین میں گھومنے پھرنے کا حکم دیا گیا ہے۔خدا فرمایا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ [1]

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ [2]

آیات کی تفسیر میں مفسرین کا تقریباً متفقہ نظریہ ہے کہ اس سے مراد تاریخی مطالعہ ہے۔البتہ قرآن مجید تاریخ کے مطالعہ کو فقط تاریخی کتابیں پڑھنے تک محدود نہیں کرتا۔تاریخ کے مطالعہ کے لئے تاریخی آثار کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے اور یہ مطالعہ تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے تاریخی مقامات کے سفر پر زیادہ صادق آتا ہے کیونکہ سفر اپنے ساتھ کچھ فوائد بھی رکھتا ہے جس کی جگہ کوئی اور چیز نہیں لے سکتی! امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف منسوب دیوان

---

[1] سورۂ انعام: ۱۱، سورۂ النمل: ۲۹، سورۂ روم: ۴۲، سورۂ عنکبوت: ۲۰

[2] سورۂ غافر: ۲۱

میں ایک شعر ہے

تغرب من الاوطان فی طلب العلی
وسافر ففی الاسفار خمس فوائد
تفرج ھم واکتساب معیشۃ
وعلم و آدابٌ وصحبۃ ماجد

سفر کرو اور پاؤں بندھے ہوئے پرندے کی مانند نہ بنو اگر اس کے ایک پاؤں کے ساتھ جوتا باندھ دیں تو وہ ہل بھی نہیں سکتا۔ سفر کرو کیونکہ جب کسی دوسرے مقامات کا سفر کرو گے وہاں کے آداب و رسوم کو نزدیک سے دیکھو گے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے علاقے کے لوگوں کی کچھ ایسی اچھی عادات ہوتی ہیں جو تمہارے علاقہ کے لوگوں میں نہیں پائی جاتیں۔ وہاں کے لوگوں کے کچھ آداب تمہارے لوگوں کے آداب سے بہتر ہوتے ہیں ہوسکتا ہے کہ سفر کے دوران کچھ نئے آداب و اخلاق سے آشنا ہو جاؤ اور انہیں اپنا لو کم از کم یہ بھی تو ہوسکتا ہے جب تم وہاں کے آداب و رسوم کو دیکھو گے اور اپنے آداب و رسوم کو بھی جانتے ہوں گے تو ان کا آپس میں موازنہ کرو گے اور پھر فیصلہ کرو گے کہ کون سے آداب اچھے ہیں تا کہ انہیں اپنایا جائے اور کون سے آداب صحیح نہیں ہیں تا کہ ان کو ترک کر دیا جائے۔

۵۔ وصحبۃ ماجد: علم حاصل کرنے کے علاوہ ہمنشینی بھی حاصل ہوتی ہے (''صحبت'' سے مراد ہمنشینی ہے) سفر میں تمہیں بزرگ لوگوں سے ملنے اور ان سے ہمنشینی کا شرف حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ ہوسکتا ہے بزرگوں کی ہمنشینی سے تمہیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو تمہیں کمال کے درجے تک پہنچا دے۔

فی طلب العلیٰ: اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ اس بات کو مدنظر رکھ کر سفر کریں کہ بہترین غذا اور اچھے اچھے کھانے کہاں ملتے ہیں؟ مہنگے سے مہنگا ہوٹل کس شہر میں ہے؟ اس طرح کی اور بہت سی باتیں تغرب عن الاوطان فی طلب العلیٰ: فضیلتوں،

بلندیوں، ترقیوں اور کمالات کو حاصل کرنے کے لئے وطن سے دوری اختیار کرو اور یہ چیزیں وطن سے ہجرت کرنے کے بعد تمہارے نصیب میں آئیں گی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جن اہل علم حضرات نے سن پختہ ہونے کے بعد سفر اختیار کیا ہے اور مختلف ملکوں کا دورہ کرنے کے بعد اپنے ملک واپس پلٹے ہیں ان میں کچھ اور ہی کمال اور پختگی پائی جاتی تھی۔ علماء کے درمیان شیخ بہائی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے وہ کئی لحاظ سے جامع اور صاحب فنون شخصیت کے مالک تھے شعراء کے درمیان شیخ سعدی ایسے شاعر ہیں جو ہمہ صفت موصوف تھے۔ انہوں نے مختلف انداز میں شعر کہے ہیں۔ یعنی سعدی کے اشعار کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس کے اشعار میں حماسہ آفرینی ہے اور غزل سرائی بھی، عرفانی غزلیں بھی ہیں اور پند ونصیحت بھی غرض کہ انہوں نے ہر میدان میں شعر کہے ہیں کسی ایک نوع کے ساتھ اس کے اشعار مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر نوع کا شعر اپنی جگہ پر اہمیت کا حامل ہے۔

شیخ سعدی ایسے شاعر ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے تیس سال مصر میں بسر کئے ہیں۔ ان کی نوے سال کی عمر تھی۔ تیس سال علم حاصل کرنے میں گزارے اور تیس سال دنیا کا سفر کرنے میں (کم وبیش تیس سال) اور بقیہ تیس سال ان کی زندگی کے پختگی کے ایام تھے جن میں کتابیں تحریر کیں۔ گلستان ہو یا بوستان زندگی کے پختگی کے دنوں میں لکھی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نسبتاً ایک پختہ اور کامل شاعر تھے۔ بوستان میں کہتے ہیں

در اقصای عالم بگشتم بسی
بسر بردم ایام با ہرکسی
بہر گوشہ ای توشہ ای یافتم
زہر خرمی خوشہ ای یافتم

میں دنیا کے گوشے گوشے میں گھومتا پھرتا رہا۔ ہر ایک کے ساتھ
زندگی کے دن بسر کئے، ہر خطے سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کیا ہر تر و

تازہ درخت سے کوئی نہ کوئی خوشہ حاصل کیا۔

گلستان اور بوستان کی داستانوں میں کہتے ہیں کہ بعلبک کی جامع مسجد میں تھا کہ کچھ ہوا۔ ایک اور مقام پر کہتے ہیں کاشمر میں تھا تو یوں ہوا۔ کہاں بعلبک اور کہا کاشمر؟ کاشمر میں میری ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی جونحو پڑھتا تھا میں نے اسے کہا:

طبع ترا تاہوس نحو شد

صورت یکی از دل ما محو شد

کبھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کے شہر سومناتھ میں تھا کہ یہ ہوا اور وہ ہوا۔ یہ دیکھا اور وہ دیکھا، حجاز کا سفر کررہے تھے کوئی شخص ہمارے ساتھ تھا اور اس نے یہ کام کیا اور وہ کام کیا۔ گویا، انہوں نے سب کچھ بیان کرڈالا۔ یقیناً شاعر کی روح ایسی چیزوں سے کمال کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ اسی لئے آپ سعدی کی شاعری میں ہر طرح کی پختگی محسوس کریں گے، لیکن حافظ کے اشعار ایسے نہیں۔ البتہ مولانا رومی کے کلام میں بھی آپ کو یہ چیزیں ملیں گی۔ کیونکہ مولانا نے بھی بہت سفر کیا ہے۔

بہت سی اقوام کے ساتھ ان کی آشنائی تھی۔ وہ ان کی زبانوں کو جانتے تھے اور ان کی لغاوت کو بھی اپنے کلام میں استعمال کیا ہے۔ وہ مختلف ثقافتوں سے باخبر تھے۔ حافظ سے، ہم عقیدت رکھتے ہیں وہ واقعاً ایک زبردست عارف تھے۔ عرفانی غزلوں میں سعدی ان کی گرد پا کو نہیں پہنچ پاتے۔ حافظ کا علم اس بارے میں بہت گہرا ہے لیکن صرف یک طرفہ اس سے زیادہ نہیں وہ زندگی بھر شیراز سے اپنا دل لگا رکھے وہ کہتے ہیں

اگرچہ اصفہان آب حیات است

ولی شیراز ما از اصفہان بہ

اگرچہ اصفہان آب حیات ہے لیکن ہمارا شیراز اس سے کئی درجے بہتر ہے۔

یا کہتے ہیں:

خوشا شیر از وصف بی مثالش
خداوندا نگهدار از ز والش

شیراز اور اس کے بے مثال تعریف کے کیا کہنے! خداوندا تو ہی
اسے ہر قسم کے زوال سے محفوظ رکھ

انہوں نے ہمیشہ اپنا دل ''آب مصلیٰ'' اور گلگشت مصلی اور اپنی مستقل رہائش سے لٹکائے رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک بار سفر اختیار کیا اور شیراز سے یزد تک پہنچے ہی تھے کہ تنگ آ گئے اور شیراز کی یاد ستانے لگی کہتے ہیں۔

اے خوش آنروز کزین منزل ویران بروم
راحت جان طلبم و ز پی جانان بروم
دلم از وحشت زندان سکند بگرفت
رخت بربندم و تاملک سلیمان بروم

کب وہ خوش نصیب دن آئیں گے کہ اس ویرانے سے واپس جاؤں گا۔ کب دکھوں سے چھٹکارا ملے گا اور جاناں کا دیدار نصیب ہوگا؟ اسکندر کے جیل خانہ کی وحشت سے میرا دل تنگ آ گیا ہے کب رخت سفر باندھوں گا اور ''سلیمان کی نگری'' میں واپس لوٹ جاؤں گا؟

یہ اشعار جہاں عرفانی ہیں وہاں ان کے دل کی ترجمانی بھی کر رہے ہیں، دوسرے شعر کی تشریح یوں ہے کہ تاریخ اور پرانے افسانوں میں درج ہے کہ جب اسکندر ایران پہنچا تو اس نے اپنا جیل خانہ یزد میں قرار دیا۔ یعنی جب کسی کو گرفتار کرتا تو اسے یزد کی جیل میں بھیج دیتا۔ ادھر قدیم زمانے سے شیراز اور تخت جمشید کو ''سلیمان کی نگری'' سے یاد کیا جاتا ہے۔

دلم از وحشت زندانِ سکندر بگرفت

رخت بربندم و ملک سلیمان بروم

اگر اس شعر کے عرفانی معنی کو لیا جائے تو ''زندان اسکندر'' سے مراد تن کی دنیا اور مادی دنیا ہے اور ''ملک سلیمان'' سے مراد ''معنوی اور روحانی'' دنیا ہے۔

لیکن یہ اشعار کہنے کے بعد انہیں سوجھی کہ کہیں یزدی حضرات ناراض نہ ہو جائیں کہ ان اشعار میں انہیں حق ناشناس کہا گیا ہے۔ ان کی خدمت کی قدر شناسی کرتے ہوئے ایک اور شعر کہا ہے تاکہ یزدی حضرات خوش ہو جائیں کہتے ہیں

ای صبا از ما بگو به ساکنان شهر یزد

ای سر ما حق شناسان گوی چوگان شما

اے بادِ صبا ہماری طرف سے یزد کے باسیوں تک یہ پیغام پہنچا دے کہ اے یزد کے رہنے والو ہم قدر شناسوں کے سر تمہارے چوگان کی گیند ہیں۔

بہر حال طے پا چکا تھا کہ ایک بار ہندوستان کا سفر کریں لیکن ساحل سمندر تک پہنچنے کے بعد کہا واپس لوٹ چلیں ہم اہل سمندر نہیں ہیں۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا اتفاق ہوا سمندر تک پہنچنے کے بعد واپس شیراز لوٹ آئے ''گلگشت مصلیٰ'' سے ہمیشہ اپنا دل لگائے رکھا اور کبھی اسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

یقیناً شیخ بہائی جو دنیا بھر کا سفر کر چکے ہیں اور ایک ملا جو پچاس سال تک نجف کے دروازے سے کبھی باہر نہیں نکل پایا میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ شیخ بہائی ایسے شخص ہیں جن کا دنیا بھر کے مختلف لوگوں سے سروکار رہا ہے ہمارے اور بھی بہت سے علماء اسی طرح تھے۔

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علماء اپنی زندگی میں سفر کر چکے ہیں اور ان کا مختلف افراد اور اقوام سے واسطہ رہا ہے مختلف رشتوں میں مختلف استادوں سے کسب فیض کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فکر وسیع اور سوچ بڑی گہری ہے۔

ان لوگوں کی نسبت جو بنوع علمی میں ان سے کہیں کم نہیں تھے۔ان کا اخلاص بھی کسی طرح ان سے کم نہیں تھا لیکن وہ چونکہ ایک ماحول میں رہ چکے تھے اور وہاں سے کبھی اپنا قدم باہر نہیں نکالا تھا۔لہٰذا اِن کے روح کی پختگی اور اُن کے روح کی پختگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

احادیث میں ہجرت کی ایک معنوی تعبیر بھی کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ''**المهاجر من هجر السيات**'' مہاجر وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے۔اس تعبیر سے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہ ہو جائے کہ اس سے ظاہری اور جسمانی ہجرت کی نفی ہوتی ہے بلکہ یہ روحانی اور معنوی سطح پر ہجرت کا اثبات ہے،یعنی اسلامی نقطہ نظر سے ہجرت صرف اس چیز کا نام نہیں کہ ''انسان اپنے شہر ودیار،گاؤں اور علاقے کو چھوڑ دے ایک علاقہ میں نہ بیٹھا رہے اپنے شہر اور دیہات میں بند ہو کر نہ رہ جائے۔جس آب وہوا میں بڑھا پلا ہے اس کا اسیر ہو کر نہ رہ جائے اپنے ماحول کی جغرافیائی حدود کا قیدی بن کر نہ رہے۔یہ بذات خود ایک قسم کی آزادی اور ہر طرح کی اسارت کے منافی ہے'' بلکہ اسی طرح انسان کو ان روحانی عادات اور خصال کا اسیر بھی نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی ایک خاص روحانی فضا میں محبوس ہو کر زندگی بسر کرے۔

بسا اوقات انسان بعض ایسی چیزوں کی عادت کر لیتا ہے کہ معاشرتی لحاظ سے اس کا ایک اصل بن جاتی ہیں اور جسمانی اور روحانی لحاظ سے وہ اس کی مستقل عادات بن جاتی ہیں،مثلاً سگریٹ نوشی ایک جسمانی عادت ہے۔بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جب انہیں ڈاکٹر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ سگریٹ پینا چھوڑ دو تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ''عادت بن چکی ہے،عادت کبھی نہیں چھوٹ سکتی''۔اگر سگریٹ نوشی ترک کر دیں تو بیمار ہو جائیں۔ لیکن یہ سب مفت کی باتیں ہیں''**المهاجر من هجر السيات**'' مردہ ہے جو ایسی چیزوں سے ہجرت کر لے اور ان سے جدائی اختیار کر لے جو شخص سگریٹ نوشی سے ''ہجرت''نہیں کر سکتا تو وہ پھر کیسا انسان ہے؟

مرحوم آیت اللہ حجت اعلی اللہ مقامہ سگریٹ کے ایسے عادی تھے جن کی نظیر میں نے آج تک نہیں دیکھی ان کے منہ میں ہر وقت سگریٹ موجود رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ سگریٹ پیا کرتے تھے۔ ان کی بیدار کا اکثر وقت سگریٹ نوشی میں گزر جاتا جب وہ بیمار ہوئے اور علاج کی غرض سے انہیں تہران لایا گیا۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد کہا'' چونکہ آپ پھیپھڑوں کے مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں لہٰذا آپ کو سگریٹ نوشی ترک کرنی پڑے گی''۔ پہلے تو انہوں نے مذاق میں کہا'' مجھے یہ سینہ سگریٹ نوشی کے لئے چاہئے اگر سگریٹ نہ ہو تو سینے کو کیا کروں گا؟''؟ ڈاکٹروں نے کہا'' بہرحال آپ کو یہ عادت ترک کرنی ہوگی کیونکہ یہ آپ کے لئے بہت مضر ہے'' فرمایا'' مضر ہے؟'' کہا'' جی ہاں'' تو پھر ہم نہیں پئیں گے'' یہ کہا اور سگریٹ پینا چھوڑ دی۔ ایک بات اور دوٹوک فیصلہ، ایسے شخص کو'' عادت کا مہاجر'' کہا جائے گا یعنی ایک عادت کو چھوڑ دیا۔

کہتے ہیں کہ مامون کو مٹی کھانے کی عادت تھی۔ وہ ہمیشہ مٹی کھایا کرتا تھا۔ حکیموں اور طبیبوں کو بلایا گیا تا کہ کوئی ایسا علاج تجویز کریں جس سے اس کی یہ عادت چھوٹ جائے۔ کئی قسم کے معجون تیار کر کے اسے دیئے گئے کوئی اثر نہ ہوا کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ کہا لیکن کوئی تجویز بھی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ ایک درویش منش انسان جو دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ کہا اس کا علاج میرے پاس ہے۔ پوچھا گیا وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا:'' عزمة من عزمات الملوك'' یعنی ایک شاہی فیصلہ یہ بات مامون کے دل میں اثر کر گئی اور اس نے کہا ٹھیک کہتا ہے۔ یہ کہا اور پھر کبھی مٹی کو منہ نہیں لگایا۔

انسان کو اس قدر عادت کا اسیر نہیں ہونا چاہئے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ چیز مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ مثلاً ان کی اجتماعی اور معاشرتی عادات میں سے ایک عادت یہ ہے کہ میت کے تیسرے اور ساتویں کو کچھ رسومات انجام دیتی ہیں، چالیسویں کو کیسی کیسی رسم ادا کرتی ہیں یا شادی کی دوسری رسومات، جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ تو کہتی ہیں کہ'' رسم ہے'' آخر کیا کیا جائے؟'' آیا رسومات

کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے اگر ان سے پوچھا جائے کہ ان رسومات کا کیا فلسفہ ہے تو جواب میں کہتی ہیں فلسفہ کیسا؟ فقط رسم ہے اور رسومات کیونکر ادا کیا جائے؟

اسے کہتے ہیں قید، اسے کہتے ہیں حقارت، اسے کہتے ہیں بے بسی، انسان کو اس قدر سماج کا قیدی بن کر نہیں رہنا چاہئے لیکن آج کل کے روشن فکر طبقے کی مانند بھی نہیں ہونا چاہیے جو ہر قسم کی عادات و رسومات کے مخالف ہیں، ہر قسم کی عادات و رسومات کے مخالف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر منطقی بات کے موافق اور ہر غیر منطقی بات کے مخالف ہونا چاہئے۔

پس جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اسلام نے انسانی زندگی میں ہجرت کو اہم درجہ دیا ہے۔ تو پھر اس کا کیا معنی ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے انسانی شخصیت کو زندہ رکھنا اور اس کی پرورش کرنا ہے اور ایسے اسباب کے ساتھ جہاد کرنا ہے جو انسان کو اسیر کرنے اور مختلف بندھنوں میں نہ رہ جا۔ اپنے آپ کو مٹی اور گارے کا قیدی نہ بنا[1] انسان کو اپنے لئے اس قدر آزادی فکر اور استقلال رائے کا مالک تو ہونا چاہئے کہ علاقے، سرزمین اینٹ گارے اور آب و گل کا قیدی نہ بن سکے اور ماحول نے جو غلط عادات و رسومات اور

---

[1] ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے کسی صحابی کے گھر گئے جو ایک چھوٹے سے حقیر گھر میں رہتا تھا جس میں اس کے بیوی بچے نہایت ہی تنگی کے ساتھ رہ رہے تھے حالانکہ وہ خود اچھا خاصا کھاتا پیتا تھا آدمی تھا۔ اسلام کا فرمان ہے کہ ''من سعادۃ الانسان سعۃ دارۃ'' یعنی انسان کی سعادت میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس کا گھر کشادہ ہو۔ اگر کسی شخص کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنے لئے کھلا اور کشادہ گھر اختیار کر سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ اپنے بیوی بچے پر ظلم کرتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ ایک کشادہ مکان بنا سکتا ہے لیکن جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم ایسے مکان میں کس لئے رہ رہے ہو؟ جب تمہارے بس میں ہے کہ کھلا مکان بنا سکتے ہو تو پھر اس چھوٹے سے مکان میں بیوی بچے کو محبوس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے کہا: فرزند رسولؐ! یہ میرا آبائی مکان ہے۔ لہٰذا میرا دل نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں۔ امام صادق علیہ السلام نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا: اگر تمہارے باپ دادا اس قدر باشعور نہیں تھے تو ان کی بے شعوری کا جرمانہ تم کیوں ادا کرو؟ فوراً اپنے بیوی بچوں کو یہاں سے لے جاؤ اور کسی کھلے مکان میں جا کر رہو ''میں یہاں پیدا ہوا ہوں میرے باپ دادا اس جگہ پیدا ہوئے، بڑھے پلے اور جوان ہوئے ہیں'' یہ سب غلط باتیں ہیں۔

برے اخلاق اس پر مسلط کر دیئے ہیں ان سے چھٹکارا پاسکے ''**المهاجر من هجر السيات**'' مہاجر وہ شخص بن سکتا ہے جو ہر قسم کی برائی، غلط کاری اور بے راہ روی سے علیحدہ ہو جائے۔

ہجرت یعنی ان برائیوں سے جدا ہو جانا جن میں انسان کھرا ہوا ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو ایسی مادی اور روحانی ناپاکیوں سے جدا کر لینا جنہوں نے انسان کو گھیرا ہوتا ہے۔

جہاد

جہاد کے معنی جنگ کرنے کے ہیں حتیٰ کہ یہ تعبیر اس کے معنوی اور روحانی معنوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

جس طرح انسان کو اپنے ماحول کا اسیر نہیں ہونا چاہئے اسی طرح سے ماحول کی رکاوٹوں کا اسیر یعنی اے انسان تیری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ماحول میں جو رکاوٹیں تیری معنوی ترقی کے آگے حائل ہیں انہیں دور کر کے اپنے آپ کو کمال کے مدارج تک پہنچا وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ [1] سے پہلے یہ آیت ہے "وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ یعنی ہجرت کرو جو شخص ہجرت کرے گا زمین میں اسے بہت سی "مراغم" اور "وسعتیں" ملیں گی۔ [2]

اس مقام پر قرآن مجید کی ایک عجیب تعبیر ہے اور وہ یہ کہ " وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " سے پہلے یہ آیت مُسْتَضْعَفِيْنَ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا

---

[1] سورۃ النساء: ۱۰۰

[2] "سعۃ" کے معنی کشادگی کے ہیں۔ یعنی تم دیکھو گے کہ کدا کی زمین بہت کشادہ ہے اور اس میں کسی قسم کی محدودیت نہیں ہے اور "مراغم" رغام سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں نرم خاک اور "ارغام انف" اسی کلمہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ناک کو خاک پر ملنا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ "نماز میں" ارغام انف" مستحب ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کو اپنا سر سجدے میں خاک پر ایسی چیز پر رکھنا چاہئے جس خاک کی جنس سے ہو اور یہ امر مستحب ہے جسے اصطلاح میں "ارغام انف" کہتے ہیں۔

فِيْمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۖ
قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۖ

جب ملائکہ کچھ لوگوں کا روح قبض کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا ریکارڈ بہت خراب ہے نہایت ہی سیاہ اور تاریک وہ پوچھتے ہیں آخر ایسا کیوں ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ ہم بے بس لوگ تھے، ایسے ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے جہاں ہمارا کوئی بس نہیں چل سکتا تھا، ماحول نہایت خراب تھا.........وغیرہ، اس قسم کا مہمل جواب ملتا ہے تو ملائکہ جواب میں کہتے ہیں یہ کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ اس قسم کا عذر درخت پیش کر سکتے ہیں جو اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ تم سڑک کے کنارے کھڑے کھڑے کیوں پژمردہ ہو گئے ہو؟ تمہارے پتے افیون کے عادی شخص کی طرح سیاہ کیوں ہو گئے ہیں؟ اس میں واقعاً درختوں کا کوئی قصور نہیں۔ کیونکہ وہ یہ نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر جنگل اور بیاباں میں چلے جائیں تا کہ وہاں پر ان کے پتے سرسبز اور تر و تازہ رہیں درختوں کی جڑیں زمین میں پھنسی ہوئی ہیں وہ وہاں سے کسی صورت میں نہیں ہٹ سکتے حتیٰ کہ حیوانات بھی اس قسم کا اظہار نہیں کریں گے۔ جانوروں میں سے بہت سے جانور مہاجر ہیں۔ کیوں کہ کبوتر مہاجر ہوتے ہیں۔ اور ابابیل اور دوسرے کئی پرندے حتیٰ کہ سمندروں کی مچھلیاں بھی مہاجر ہوتی ہیں اور وہ سردی اور گرمی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتی رہتی ہیں اور یا مثلاً ابابیل گرمیوں میں ٹھنڈے علاقوں میں چلے جاتے ہیں اور کئی سو میل کی طولانی مسافت طے کرتے ہیں۔ کئی مچھلیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو سمندر کے ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف ہجرت کر جاتی ہیں اور پھر واپس لوٹ آتی ہیں یہ ٹڈی دل بھی ہجرت کرتے ہیں اور جہاں پہنچتے ہیں اس علاقے کو سیاہ کر دیتے ہیں جب جانور اپنا دل مٹی اور پتھروں سے نہیں لگاتے تو ایسی حالت میں انسان اپنے لئے بہانے تراش لیتا ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے گا ''فِيْمَ كُنْتُمْ ''تم اس قدر غلیظ اور پلید کیوں ہو؟ تو جواب دے گا کہ ہمارا ماحول خراب تھا، یہ سب سینما پر فیشن ایبل عورتیں، یہ شراب کی دکانیں، یہ خرابی

اور وہ خرابی............یہ سب ماحول کا جبر تھا جس نے ہمیں گناہوں پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن یہ سب فضول باتیں ہیں۔ کیا اس ماحول سے نکل کر دوسرے صاف ستھرے ماحول میں نہیں جا سکتے تھے؟ فرشتے جواب دیں گے،

قَالُوٓا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا ؕ

جب ایسے لوگوں سے سوال کیا جائے گا کہ خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم دوسرے علاقے میں ہجرت کر جاتے

تو وہ جواب دیں گے

ہم وہاں پر مرغم تھے یعنی ہم مسلمان تھے، شہادتین کو بھی مانتے تھے لیکن دوسروں کے زیر دست تھے۔ ہمارا ماحول خراب تھا۔ دشمن ہمیشہ ہماری ناک زمین پر رگڑتا رہتا ہے۔

تو ایسے لوگوں کے لئے خدا نے فرمایا ہے

وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً ؕ

''جو شخص راہ خدا میں ہجرت کرتے تو وہ ایسی جگہ جا پہنچے گا کہ جو ''مراغم'' ہوگی، یعنی وہاں دشمن سے دست وگریباں نہ ہوگا۔ اگر ایک دفعہ دشمن اس کی ناک زمین پر رگڑے گا تو ایک دفعہ وہ بھی اس کی ناک زمین پر رگڑے گا۔ یعنی لڑائی یعنی جنگ اور وہی جہاد

وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اس کی معنوی تعبیر کا مطلب بھی اسی طرح ہے۔ کچھ لوگوں نے جھوٹ بولنے کی اختیار عادت کر لی ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھوٹ نہ بولا کرو تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان جھوٹ نہ بولے؟ آخر انسان ہے جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے۔ نامحرم عورت

کی طرف مت دیکھو تو کہتے ہیں کیا ہو سکتا ہے کہ انسان نگاہ نہ کرے۔

میں نے اپنی کسی تقریر کے دوران کہا تھا کہ عمر خیام کا یہ شعر انسانیت کی توہین ہے، انسانیت کے لئے قابل فخر بات نہیں۔ ادبیات کی بھی توہین ہے شعر یہ ہے۔

یا رب تو جمال آن مہ مہر انگیز	آراستہ ای بہ سنبل عنبر بیز
پس حکم ہمی کنی کہ دوری منگر	این حکم چنین بود کہ کجدارو مریز

خداوند تو نے اس قدر حسن و جمال پیدا کر کے ہمیں حکم دیا ہے کہ
ہم اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس حکم کی مثال ایسی ہے کہ
برتن کو تر چھا رکھا جائے اور جو چیز اس میں ہے وہ گرنے نہ پائے۔

ہم مجبور تھے کیا کرتے؟ نہیں نہیں مجبور نہیں تھے۔ تم نے انسان کی انسانیت کی توہین کی ہے۔

اگر کسی سے کہا جاتا ہے کہ نماز میں اپنے ذہن کو ہمیشہ حاضر رکھو تو کہتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں۔ نہیں جناب کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر ممکن نہیں تھا تو کہا کیوں گیا ہے؟ یقیناً ہو سکتا ہے۔ تمہارے اندر مراقبہ نہیں ہے۔ اگر مراقبہ ہو تو ذہن بھی حاضر ہو سکتا ہے۔ جب مراقبہ ہو گا تمہارے تمام خیالات تمہارے اپنے اختیار میں ہوں گے۔ خیال یعنی قلبی تصور یہ قلبی تصور تمہاری اجازت کے بغیر کبھی تمہارے ذہن میں نہیں آسکتا شاعر کہتا ہے

حاکم اندیشہ ام محکوم نی	چوں کہ بنا حاکم آمد برگل ای
جملہ خلقان سخرۂ اندیشہ اند	زین سبب خستہ دل و غم پیشہ اند

یعنی ہم اپنے ''خیالات'' پر حاکم ہیں نہ کہ خیالات کے محکوم چونکہ
دوسرے لوگ اپنے خیالات کے محکوم ہوتے ہیں لہٰذا ہر وقت
پریشان حال اور مغموم رہتے ہیں۔

آخر کیوں انسان کو کسی کا محکوم ہونا چاہیئے؟ خدا نے انسان کو کسی کا محکوم نہیں بنایا، اس نے تو انسان کو اس قدر آزادی اور حریت عطا کی ہے کہ وہ خود کو ہر چیز سے آزاد رکھ سکتا

ہے اور ہر چیز پر تسلط حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ اس کام کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ انتھک کوشش کی ضرورت ہے لڑائی کی ضرورت ہے جنگ کی ضرورت ہے انسان کو اپنے ساتھ جنگ لڑنا پڑتی ہے۔ اپنی خواہشات کے ساتھ جنگ کرنا پڑتی ہے۔ لذتوں کے ساتھ لڑنا پڑتا ہے آسائشوں کے ساتھ لڑنا پڑتا ہے۔ تن آسانی کے ساتھ لڑنا پڑتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہر چیز کا محکوم ہوگا۔ خدا نے انسان کو عقل دی ہے لہٰذا اسے ان دو راستوں میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنا پڑے گا یا نفس امارہ کے ساتھ لڑائی کر کے اسے اپنا مطیع بنائے اور تن آسانیوں میں کھو کر خود کو اس کا محکوم بنا لے۔ (بقول علامہ اقبال۔ از مترجم)

دل کی آزادی شہنشاہی شکم ساماں موت

فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

النفس ان لم تشغله شغلتك نفس امارہ کی خاصیت یہ ہے کہ اگر تم اسے اپنا محکوم نہ بناؤ تو وہ تمہیں اپنا محکوم بنا لے گا۔ اگر تم اس پر غالب نہیں آؤ گے تو وہ تم پر غالب آجائے گا۔

> حضرت علی علیہ السلام کے زہد کا کیا فلسفہ تھا؟ ان کے ترک دنیا کا کیا فلسفہ تھا؟ آزادی دل کی آزادی، وہ کسی وقت بھی کسی چیز کے مغلوب ہو کر نہیں رہے۔ وہ جس طرح یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ میدان جنگ میں عمرو بن عبدود اور رجب جیسوں کے مغلوب ہوں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک بھی نفسانی خواہش کے مغلوب ہو کر رہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام قصاب کی دکان سے گزر رہے تھے (ظاہراً آپ کی ظاہری خلافت کا زمانہ تھا) قصاب نے کہا ''یا امیر المومنین علیہ السلام آج بہت ہی اچھا گوشت آیا ہے۔ اگر چاہیں تو لے جائیں'' آپ نے فرمایا'' پیسے نہیں ہیں'' قصاب نے کہا'' کوئی حرج نہیں بعد میں دے دینا'' امام نے فرمایا'' میں اپنے پیٹ

سے کہوں گا کہ کچھ دن صبر کر لے اگر میں پیٹ سے نہ منوا سکتا تو تم سے کہتا کہ ادھار دیدو۔ چونکہ میں اپنے پیٹ سے منوا سکتا ہوں۔ لہٰذا تم سے ادھار نہیں لوں گا'' شیخ سعدی نے اس چیز کو اشعار میں بیان کیا ہے۔ البتہ عارفانہ انداز میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں

ولو شئت لاهتديت الطريق الى مصفیٰ هذا العسل،

ولبا هذا القمح ونسائج هذا القز

یعنی میں سب کچھ جانتا ہوں کہ کس طرح اچھی سے اچھی خوراک کھائی جاتی ہے اور اچھے اچھا لباس پہنا جاتا ہے؟ اور یہ سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن هيهات ان يغلبني هوای خودکو اپنی خواہشات کا اسیر نہیں بنانا چاہتا۔ پھر دنیا سے ان لفظوں میں خطاب فرماتے ہیں۔ اليك عني يا دنيا فحبلك على غاربك اے دنیا مجھ سے دور ہو جا! میں نے تمہاری باگ ڈور تمہارے کندھوں پر ڈالدی ہے۔ یعنی جاؤ، دور ہو جاؤ۔قد انسللت من مخالبك واقلت من حباء لك: تو مجھ پر اپنے پنجے گاڑھنا چاہتی ہے! لیکن میں تمہارے پنجوں میں نہیں آ سکتا۔ میں آزاد ہوں تو مجھ پر اپنے جال ڈالنا چاہتی ہے میں تمہارے جال میں کبھی نہیں پھنس سکتا۔ میں آزاد ہوں میں اس فلک سے اور جو کچھ اس کے نیچے ہے۔سب سے آزاد ہوں۔ میں کبھی بھی خودکو کسی چیز کا اسیر نہیں بنا سکتا۔ تو اسے کہتے ہیں حقیقی لڑائی، اسے کہتے ہیں جہاد بالنفس۔

آج گیارہ محرم کا دن ہے۔آج کا دن ان سخت ترین دنوں میں سے ہے جو اہلبیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گزرے ہیں۔ اگر واقعات کربلا کے نورانی اور ظلمانی دونوں پہلوؤں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس دن انسان کی سرشت کے بارے میں جن باتوں کا خدا اور فرشتوں کے درمیان تبادلہ ہوا تھا۔ کربلا میں جامۂ عمل پہن رہی تھیں۔فرشتوں نے کہا تھا

''أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ

یعنی اے اللہ تو روئے زمین پر ایسے شخص کو بھیج رہا ہے جو وہاں پر جا کر فساد پھیلائے اور خونریزی کرے؟

لیکن خدا نے فرمایا

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے

یعنی اس دن انسان کی جو برائیاں فرشتوں کو نظر آ رہی تھیں وہ سب کربلا میں ظاہر ہو گئیں اور جو کچھ خدا نے انہیں فرمایا تھا کہ تم نے قضیئے کا ایک پہلو دیکھا ہے، اس کا تاریک اور ظلمانی پہلو دیکھا ہے اس کا نورانی پہلو نہیں دیکھا جسے میں جانتا ہوں باالفاظ دیگر تمام انسانی فضیلتیں بھی میدان کربلا میں ظاہر ہو گئیں۔

عجیب امتحان کا میدان تھا۔ ظالموں نے سنگدلی کے ایسے ایسے مظاہرے کئے ہیں جن کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسی جوان یا بچے کا سر اس کی ماں کی آنکھوں کے سامنے کاٹا اور اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، ماں دیکھتی رہی، تاریخ نے آٹھ شہیدوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے ساتھ یزیدیوں نے ایسا ہی سلوک کیا جن میں سے تین جوان اور بالغ تھے اور پانچ معصوم بچے۔ ان آٹھوں کی مائیں کربلا میں موجود تھیں جن میں سے ایک عبداللہ بن الحسین علیہ السلام ہیں جنہیں ہم علی اصغر علیہ السلام کہتے ہیں۔ حسین علیہ السلام کا شیرخوار بچہ مقتل کی معتبر کتابوں میں ہے کہ اس معصوم بچے کی شہادت خیمہ گاہ کے سامنے واقع ہوئی۔

ایک اور شہید قاسم بن حسن علیہ السلام ہیں ان کی والدہ بھی کربلا میں موجود تھیں۔ ان کے سامنے ہی قاسم علیہ السلام کو شہید کیا گیا (لیکن علی اکبر علیہ السلام کی والدہ کربلا میں موجود نہیں تھیں۔ یہ مشہور ہے کہ لیلیٰ کربلا میں موجود تھیں ایسا نہیں ہے)

ایک اور شہید جس کی والدہ کے سامنے اسے شہید کیا گیا عون بن عبداللہ بن جعفر تھے۔ جناب زینبؑ کے شوہر عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹے کربلا میں موجود تھے اور دونوں نے جام شہادت نوش کیا ایک جناب زینبؑ سے تھے اور دوسرے کسی اور ماں سے بنابرین جناب زینبؑ کے فرزند بھی کربلا میں شہید ہوئے ہیں اور جو عجیب چیز اس باعظمت خاتون

سے دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ اس خاتون نے اپنے بیٹے کی شہادت سے پہلے اور شہادت کے بعد کبھی اپنے اس بچے کا نام زبان پر نہیں لایا۔ اگر نام لینا چاہتیں تو لے سکتی تھیں لیکن سوچا کہ اگر حسین علیہ السلام کے سامنے اپنے بچے کا نام لے تو بے ادبی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں زینبؑ اپنے بھائی سے کہہ رہی تھیں حسین علیہ السلام! میرا بچہ اس لائق نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام پر قربان ہوجائے۔ مثلاً علی اکبر علیہ السلام کی شہادت کے وقت زینبؑ خیمے سے باہر آئیں اور فریاد بلند کر کے کہا: ''یا اخیاہ و ابن اخیاہ'' (ہائے میرے بھائی اور ہائے میرے بھتیجے) لیکن کسی نے نہیں لکھا کہ اپنے بیٹے کی شہادت پر ایسا کیا ہو!

ایک اور جوان جو کربلا میں اپنی ماں کے سامنے شہید کئے گئے رقیہ بنت علی علیہ السلام کے فرزند اور مسلم بن عقیلؑ کے بیٹے تھے۔ اہلبیت کا ایک اور بچہ جس کا نام مجھے یاد نہیں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد شہید ہوا۔ دس سال کے اس بچے نے خیمے کے دروازے سے باہر قدم رکھا عجیب پریشانی کی حالت تھی۔ حیرت کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا، سخت پریشان ہوا کہ کیا ہوگیا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ بچے کے دونوں کانوں میں گوشوارے تھے اور اس کی ماں دیکھ رہی تھی کہ ایک آدمی آیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ایک اور شہید جس کی شہادت نہایت ہی جانسوز اور دردناک تھی وہ اس طرح کہ ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام نے حکم دے دیا تھا کوئی بھی شخص خیمے سے باہر نہ آئے۔ سب نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن اچانک دس سال کا ایک بچہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا فرزند جس کا نام عبداللہ بن حسن علیہ السلام تھا (جب یہ بچہ پیدا ہوا تھا تو اس کا باپ شہید ہو چکا تھا۔ باپ کی شہادت کے وقت بچہ یا تو ماں کے شکم میں تھا یا دودھ پی رہا تھا۔ بہر حال بچے نے باپ کی صورت نہیں دیکھی تھی) یہ بچہ امام علیہ السلام کے دامان عصمت میں پلتا رہا اور پروان چڑھا، یعنی حسین علیہ السلام اس کے چچا بھی تھے اور تربیت کے لحاظ سے باپ بھی تھے۔ حسین علیہ السلام کو اس بچے سے بہت پیار تھا۔ جب سید الشہداء اپنی زندگی کے آخری لمحات میں زخموں سے نڈھال ہوکر قتل گاہ میں اپنے مالک حقیقی سے مناجات میں مشغول تھے تو وہی بچہ خیمے سے باہر نکلا، جناب

زینبؑ نے ہر چند کوشش کی کہ بچہ باہر نہ نکلنے پائے لیکن وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر باہر نکل آیا اور کہا: ''واللہ لا افارق عمی'' (خدا کی قسم میں اپنے چچا سے کبھی جدا نہیں ہونگا) دوڑ کر ابا عبداللہ کی گود میں پہنچ گیا۔

سبحان اللہ! کیا صبر تھا حسین علیہ السلام کا اور کیسا دل تھا، امام حسین علیہ السلام نے بچے کو آغوش میں لیا، پیار کیا، اسی اثناء میں ایک ظالم نے حسین علیہ السلام پر حملہ کرنے کی غرض سے تلوار چلائی بچے نے فوراً کہا ''تو میرے چچا کو شہید کرنا چاہتا ہے؟ یہ کہا اور اپنے ہاتھ تلوار کی طرف بڑھا دیا۔ جس سے بچے کا ہاتھ کٹ گیا۔ ''واعماہ'' (ہائے چچا) کی آواز بلند کی حسین علیہ السلام نے بچے کو گلے سے لگایا اور فرمایا: میرے پیارے صبر کرو عنقریب اپنے والد اور ان کے نانا کے پاس پہنچ جاؤ گے۔

خداوندا ہمارے دلوں کو نور ایمان سے منور فرما۔ ہمارے دلوں کو اپنی اور اپنے اور اولیاء کی محبت سے مالا مال فرما ہمارے ایمان کو قوی اور محکم فرما۔ مسلمان بیماروں کو اور جنہوں نے دعا کی سفارش کی ہے، شفائے عاجل عنایت فرما ہمارے مرنے والوں کو غریق رحمت فرما۔

ہماری کوششوں کو جس کسی نے کسی بھی لحاظ سے حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کی عزاداری اور مسلمانوں کی ہدایت کے سلسلے میں کوشش کی ہے اپنی مہربانی سے قبول فرما۔ دنیا اور آخرت کی اچھائیاں عطا فرما۔ آمین

ولا حولا ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين بارى الخلائق اجمعين والصلوٰة والسلام على عبدالله ورسوله وحبيبه وصفيه وحافظ سره ومبلغ رسالاته سيدنا ونبينا و مولانا ابى القاسم محمد وآله الطيبين الطاهرين المعصومين

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ [۱]

قرآن مجید میں جن موضوعات کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے اور اسلامی فقہ میں بھی ان کا خاص مقام ہے ان میں سے ایک مسئلہ ہجرت ہے۔ ہجرت کا مفہوم ہم میں سے بہت لوگوں کے ذہن میں صرف اس قدر ہے کہ یہ صرف ایک تاریخی حادثہ تھا جو صدر اسلام میں واقع ہوا ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کا مکہ سے مدینہ کی طرف کوچ تھا جو ہجری تاریخ کی بنیاد قرار پایا۔

اس سے انکار نہیں کہ یہ تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے اور اس کی اہم تاریخی حیثیت اور اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن کیا ہجرت صرف ایک تاریخی واقعہ ہے؟

---

[۱] سورۂ نساء: ۱۰۰

یہ جو ہجرت کے بارے میں قرآن میں بھی بار بار ذکر آیا ہے اور ''مہاجرین'' کو ''مجاہدین'' کے ساتھ ساتھ اور ''مہاجرت'' کو ''مجاہدت'' کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [1] تو یہ سب کچھ فقط اس ایک تاریخی واقعہ سے متعلق ہے جو گزر چکا ہے اور بس؟ یعنی صدر اسلام کے بعد ''ہجرت'' اپنا مفہوم اور معنی کھو چکی ہے؟ یا ایمان اور جہاد کے ساتھ اس کا وجود بھی ابھی باقی ہے؟

جس طرح ''ایمان'' اور ''جہاد'' صدر اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر دور اور زمانے میں ان کا وجود باقی ہے اسی طرح ہجرت بھی اوائل اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ صدر اسلام میں جو چیز ''ہجرت'' کے نام سے عمل میں آئی ہے ان جہادوں کی مانند ہے جو اسلام میں ایک حکم کا مصداق ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے بارے میں صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں ''الهجرة على حدها الاول'' ہجرت اپنے اسی پہلے حکم اور اسی پہلی حالت اور اسی حالت کے ساتھ بدستور باقی ہے کسی ایک زمانے کسی ایک مقام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمانے میں مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں ہجرت کا فریضہ تمام مسلمانوں پر واجب ہو گیا تھا اور جو لوگ مکہ سے مدینہ کی ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے ''مہاجرین'' کہلاتے ہیں۔ پس بنابرین حضرت علی علیہ السلام کی فرمایشات کی روشنی میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا پیغمبر اسلام کے بعد ''ہجرت'' اپنا مفہوم کھو چکی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہجرت کا کیا معنی ہے؟ اپنا ایمان بچانے کے لئے ہجرت کرنا، کوچ کرنا، وطن سے دوری اختیار کرنا، گھر بار اور دوست احباب سب کو الوداع کہہ دینا ہے تو ظاہر ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ایسا نظریہ کسی زمان یا مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتا۔ البتہ حالات کے تقاضوں پر ضرور موقوف ہوتا ہے جب ہجرت کا مفہوم ایمان بچانے کی

---

[1] سورۂ انفال: ۷۴

غرض سے گھر بار کو چھوڑ نا اور آسودہ حال زندگی سے ہاتھ دھونا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب بھی ہمارا ایمان خطرے میں ہو معاشرے اور اسلام کو خطرہ لاحق ہو اور یہ خطرہ اس وقت دور ہو سکتا ہو جب ہم اپنے گھر بار کو چھوڑ کر ہجرت کر جائیں تو ہم پر فرض ہو جائے گا کہ ہم ہجرت کر کے ایمان، معاشرے اور اسلام کو بچائیں۔

قرآن مجید میں ایک آیت ہے جو ایسے لوگوں کے نام نہاد عذر کو بیان کر رہی ہے جو ''ماحول کی مجبوری'' کا بہانہ تراشتے ہیں (موجودہ دور کے لوگوں کی مانند) آج کے دور میں ماحول اور ماحول کی مجبوری بہت سے لوگوں کے لئے ایک ''بہانہ'' بن چکا ہے۔ اگر کسی کو کہا جائے جناب آپ کس لئے یہ غلط کام کرتے ہیں؟ یا اگر کسی عورت سے کہا جائے کہ آپ کیوں بے پردہ گھر سے باہر نکلتی ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ ماحول ایسا ہے۔ اسی طرح اگر کسی عورت سے کہا جاتا ہے کہ جناب آپ ایسی مجالس میں کیوں جاتے ہیں جن میں شرکت کرنا گناہ ہے؟ اگر چہ حلال رزق کھانے کے لئے کیوں نہ ہو، آپ ایسے دسترخوان پر کیوں جاتے ہیں جہاں پر شراب پی جاتی ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا کیا جائے حالات کچھ ایسے ہیں۔ ماحول ایسا بن چکا ہے معاشرہ اس قسم کا ہو گیا ہے۔

ماحول اور معاشرے کا عذر بہت سے لوگوں کے لئے ایک فیشن بن گیا ہے۔

لیکن اسلامی نقطہ نظر سے یہ نا قابل قبول عذر ہے کل بروز قیامت خدا ہم سے یہ عذر قبول نہیں کرے گا کہ ماحول ایسا تھا۔ معاشرہ ویسا تھا ہم کیا کرتے؟ مجبور تھے وغیر بلکہ ہم پر فرض بنتا ہے کہ پہلے تو ہم اپنے ماحول کو سدھاریں اور اسے ایک اسلامی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کریں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے ماحول اور معاشرے کو اسلامی خطوط پر نہیں چلا سکتے بلکہ ہمارا ہمارے بیوی بچوں کا اور بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کا ایمان خطرے میں ہے تو اسلام کہتا ہے کہ ایسے ماحول کو فوراً! ترک کر دو۔ ماحول خواہ کسی شہر کا خراب ہو یا کسی ملک کا بلکہ اگر کسی محلے کا ماحول بھی خراب ہو تو ایسا کرنا چاہئے۔

بعض بڑے شہروں کے محلوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک محلہ تو ایسا ہوتا ہے جس

میں سو فیصد اسلامی ہوتا ہے بچوں کی اسلامی ماحول میں تربیت ہوتی ہے۔لیکن اگر اس محلے سے دوسرے محلے میں منتقل ہو جائیں تو اس کا ماحول اس پہلے محلے کی نسبت صد در صد مختلف ہوتا ہے۔ نہ تو محلے والوں کا ماحول اسلامی ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اسلامی علامات نظر آتی ہیں۔ بلکہ جب بھی انسان کی نظر کسی مرد یا عورت پر پڑتی ہے تو وہ اسلامی شعائر کے پابند نظر نہیں آتے۔ مسجد کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔قرآن مجید اور وعظ ونصیحت کے جلسات کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آتا، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام تک سنائی نہیں دیتا، بلکہ اس کے برعکس جب انسان صبح سویرے آتا ہے تو کسی گھر سے موسیقی کی آواز آ رہی ہوتی ہے خلاصہ ایسے لوگوں سے اس کا سامنا ہوتا ہے جن میں اسلام کی کوئی علامت نظر نہیں آتی بلکہ جب بھی انسان کی نظر کسی مرد یا عورت پر پڑتی ہے تو وہ اسلامی شعائر کے پابند نظر نہیں آتے۔ مسجد کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔قرآن مجید اور وعظ ونصیحت کے جلسات کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام تک سنائی نہیں دیتا، بلکہ اس کے برعکس جب انسان صبح سویرے باہر آتا ہے تو کسی گھر سے موسیقی کی آواز سنائی دیتی ہے بعض گھر والے اپنی کار میں کتوں کو سوار کر رہے ہوتے ہیں اور کسی گھر سے لہو ولعب کی آواز آ رہی ہے خلاصہ ایسے لوگوں سے اس کا سامنا ہوتا ہے جن میں اسلام کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔

ہوسکتا ہے کہ اس طرح کا ماحول ایسے والدین پر اثر انداز نہ ہو جو اسلامی ماحول میں بڑھے پلے ہوں۔ اگر بیس سال تک وہ ایسی جگہ پر رہیں تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئے گی لیکن جو بچہ ایسے ماحول میں آنکھ کھولے اور پروان چڑھے تو یقیناً وہ ایک مسلمان کے بچے کی حیثیت سے پہچانا نہیں جائے گا۔

تو ایسی صورت میں ان کا کیا فریضہ بنتا ہے؟ جو لوگ ایسے مقامات پر جاتے ہیں تو ان کا فرض بنتا ہے اس معاشرے کو اسلامی ماحول میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اگر وہاں پر مسجد کا کوئی وجود نہیں ہے تو کوشش کر کے مسجد بنانی چاہئے صرف مسجد بنا دینا ہی کافی نہیں ہوگا کوشش کر کے وہاں پر قرأتِ قرآن اور وعظ ونصیحت اور تبلیغ وارشاد کے جلسات برقرار

کرنے چاہئیں اگر ایسا کرنے میں کامیابی حاصل ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ انسان نے خدا کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی ہوگی بلکہ اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے اسباب مہیا کرنے کا ثواب بھی اسے ملے گا۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا‌ؕ [1]

یعنی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روح کو قبض کرنے کے لئے آتے ہیں تو ان کا نامہ اعمال خراب ہوتا ہے یا جدید اصطلاح کے مطابق ان کا ریکارڈ خراب ہوتا ہے تو فرشتے ان سے کہتے ہیں تمہاری یہ کیا کیفیت ہے؟ تمہارا ریکارڈ اس قدر خراب اور نامۂ اعمال اس قدر سیاہ کیوں ہے؟ تو وہ لوگ جواب میں فرشتوں کو بھی وہی کچھ کہتے ہیں جو دنیا میں انسانوں کو عذر پیش کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان کا یہ معقول عذر ہے، کہتے ہیں:

''كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ'' ہم دنیا میں بے چارے لوگ تھے کہیں پر ہماری رسائی نہیں ہوسکتی تھی، زمین کے ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے، علم اور عالم تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی تھی، معلم اور مربی تک نہیں پہنچ سکتے تھے، ہم نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اسلام کیا ہے؟ حقیقت کیا ہوتی ہے؟ کسی نے بھی ہمیں ایسی باتیں نہیں بتائی تھیں، ہم ایسی جگہ پر رہتے تھے جہاں ہمارا کوئی بس نہیں چل سکتا تھا ہمارا ماحول خراب تھا، حالات سازگر نہیں تھے۔ خلاصہ مختلف قسم کے عذر حیلے بہانے پیش کریں گے تو کیا فرشتے ان کا یہ عذر مان لیں گے؟ اور کہیں گے کہ ''بہت اچھا تم سچ کہتے ہو، تم یقیناً مجبور تھے، چونکہ تمہارا ماحول خراب تھا، لہٰذا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں اور خدا بھی تمہیں عذاب سے نجات دے

---

[1] سورۂ نساء: ۹۷

گا''، نہیں بلکہ وہ کہیں گے

قَالُوٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا

آیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی؟ تمہیں کسی نے باندھا ہوا تھا؟ اس خراب ماحول اور جرائم کی اس سرزمین میں تمہیں کسی نے جکڑا ہوا تھا؟ آیا تمام دنیا تمہاری اس سرزمین کی مانند تھی؟ آیا دنیا کے کسی کونے میں بھی کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں کا ماحول سو فیصد تمہارے لئے سازگار تھا؟ اور اگر تم وہاں پر ہجرت کر جاتے تمہارا دین تمہارا ایمان بچ جاتا! تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ ہجرت کیوں نہیں کی؟ کوچ کیوں نہیں کیا؟

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ بطور کلی اسلام میں ہجرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ حکم ہمیشہ کے لئے باقی ہے نہ تو کسی وقت منسوخ ہوا ہے اور نہ ہی صرف صدر اسلام کے مسلمانوں کے ساتھ مختص ہے۔

اس آیت میں ''وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ'' کے بارے میں بعض لوگوں نے افراط سے کام لیتے ہوئے کچھ اور مطالب کو بیان کیا ہے جس سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، جن کا ازالہ ضروری ہے وہ کہتے ہیں کہ:

جو شخص اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوچ کرتا ہے یہ ٹھیک ہے جب ''مبدا'' کی طرف دیکھا جائے تو گھر کا ذکر ملتا ہے لیکن جب منزل مقصود کی طرف نظر کی جائے تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور خلوص قلب سے اس کا رابطہ ہوتا ہے جس سے قلبی سیر و سلوک مراد ہے۔ نہ کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی دوسرے ملک اور علاقے کو چلا جانا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ گھر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر خدا کا ذکر کرتا رہے اپنے نفس کو سدھارے اور خلوص قلب کے ذریعے خدا کی ذات کا تقرب حاصل کرے، نماز پڑھے، روزے رکھے دعا کرورد کرے اور ایسے کام کرے جس سے خدا کا قرب حاصل ہو جائے۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس ''سفر'' کی منزل مقصود کیا ہے؟

جواب دیا جاتا ہے کہ منزل مقصود ذات اللہ ہے لہٰذا ذات تک پہنچنے کے لئے کچھ مراحل اور مدارج کو طے کرنا پڑتا ہے اوران مراحل کو طے کرنے کے لئے سیر وسلوک اور اپنے ''من'' کو چھوڑنے کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ ظاہری منزلوں کو طے کرنے کی بنابرین قرآن مجید کی اس جملے ''جو شخص اپنے گھر سے باہر نکلے اور خدا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرے'' سے مراد خانۂ دل ہے یعنی اپنی ''خودی'' اور ''من'' کی منزل سے نکل کر خدا کی طرف ہجرت کرے تو اس کا اجر خدا کے پاس ہے'' یہ تعبیر بالکل غلط اور ہرگز قرین قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے ''دونوں ہجرتوں'' کا ذکر کیا ہے۔غور فرمائیے قرآن کے اس اعجاز پر جب وہ گھر کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد یہی اینٹ گارے کا گھر ہوتا ہے۔یعنی اے وہ انسان جو اپنے گھر سے نکل کر ہجرت کرنا چاہتا ہے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہے یاد رکھو کہ اس سے تمہارا مقصود صرف اور صرف ذات خدا ہونا چاہئے۔اگر ہجرت کرتے کرتے دنیا کے اس گوشے سے اس گوشے تک جا پہنچو اپنے بہن بھائیوں اور بیوی بچوں سے جدا ہو جاؤ۔تمہارا مقصد صرف اور صرف خدا ہونا چاہئے۔ایسی صورت میں تمہیں ثواب بھی ملے گا اور اجر بھی اور اگر مقصود خدا نہ ہو تو اس کا ذرہ بھر بھی کوئی قیمت نہیں ہوگی، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

من كانت هجرته الى الله ورسوله كهجرته الى الله
ورسوله ومن كانت هجرته الى مال يناله اوامرئة
يصيبها فهجرته الى ماهاجر اليه

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مجھے ''مخلص مہاجر'' کی ضرورت ہے مکہ یا کسی دوسرے شہر سے مدینہ آنے والا ہر شخص مہاجر نہیں ہوگا، بلکہ مہاجر وہ کہلاتا ہے جو خلوص دل سے اور للہ فی اللہ مہاجر ہو۔اگر خدا کے لئے نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔جس طرح ہجرت کے لئے خلوص قلب کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جہاد کے لئے بھی خلوص نیت کی ضرورت ہوتی ہے وگرنہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کی صفوں میں رہ کر بہادری کے

جو ہر بھی دکھائے اور دوسرے سپاہیوں کی نسبت زیادہ جانبازی اور فداکاری کا ثبوت بھی دے دوسروں سے زیادہ دکھ بھی اٹھائے لیکن اگر اس کے دل چیر کر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اس کی یہ ساری کاوشیں فقط اس لئے تھیں کہ اس کا نام بلند ہو، دنیا میں اس کی بہادری کے گن گائے جائیں۔ اس کا فوٹو اخبارات میں شائع ہو تاریخ میں اس کا نام ہمیشہ کے لئے یادگار رہ جائے یا میدان جنگ میں جانے کے لئے اس لئے اپنا نام لکھواتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہاں پر مرنے سے بچ جائے اور ایسی صورت میں بہادروں کی فہرست میں اس کا نام آجائے گا جس سے انعام واکرام ملیں گے یا خوبصورت عورتیں اس کے ساتھ عقد کریں گی گویا اسے دنیا اور آخرت دونوں کے ملنے کی خواہش ہوتی ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ ایسا کام جہاد فی سبیل اللہ میں شمار نہیں ہوتا۔ (البتہ خدا کی راہ میں جہاد سے دنیا بھی حاصل ہوجاتی ہے بشرطیکہ اس کا ہدف دنیا نہ ہو)

ظاہراً جنگ احد تھی یا کوئی اور جنگ انصار میں سے ایک شخص جنگ میں خوب لڑ رہا تھا، بہادری کے خوب جوہر دکھا رہا تھا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا یہاں تک خود زخم کھا کر زمین پر گرا، درد کی شدت سے کراہنے لگا۔ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں شخص نے تو لڑنے میں کمال ہی کر دیا، بہادری کے خوب جوہر دکھائے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دی۔ لوگوں نے تعجب کیا کہ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں نہیں کی؟ اس کی فداکاری کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی؟ اسی اثنا میں ایک مسلمان اس انصاری کے سرہانے آکر کہنے لگا ''مرحبا، بارک اللہ، مبارک ہو تمہیں کہ تم نے بہادری کی مثال قائم کردی اب تم شہادت کا درجہ حاصل کر رہے ہو، خدا کی راہ میں اس دنیا سے جا رہے ہو'' اس نے کہا، ایسی باتوں کو چھوڑو، شہید کیا ہوتا ہے اور فی سبیل اللہ کسے کہتے ہیں؟ میں کچھ نہیں جانتا، جب میں نے دیکھا کہ مدینہ کے لوگ مکہ والوں کے ساتھ لڑ رہے ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ مل گیا وطن کی محبت یہاں پر لے آئی۔ مدنی ہونے کے تعصب نے مجھے لڑنے پر آمادہ کیا ہے۔ جو تم کہہ رہے ہو اس کے

لئے میں لڑنے نہیں آیا ہوں‘‘اسی دوران میں وہ درد کی وجہ سے چیخنے لگا، بڑی مشکل سے اٹھا اور اپنی تلوار کو سینے پر رکھ کر کہا مجھ سے درد کی شدت برداشت نہیں ہوسکتی اور تلوار کو زور سے اپنے دل میں گھونپ دیا اور خودکشی کر لی، اب لوگوں نے سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف کیوں توجہ نہیں دی؟ انہیں معلوم ہوگیا کہ ’’جہاد‘‘ کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کی راہ میں ہو، اور ہجرت بھی صرف خدا ہی کے لئے ہو، یعنی ظاہری مسافرت کے ساتھ ساتھ سلوک الی اللہ کا سفر بھی ہو یہ دونوں ایک دوسرے کے ہمراہ ہوں۔ انسان ’’مہاجر‘‘ بھی ہو اور ’’عارف سالک‘‘ بھی ہو۔ اسلام دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتا ہے اور آیت بھی دونوں کو ایک ساتھ بیان کررہی ہے

’’وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ‘‘

یعنی انسان کو چاہئے کہ ایک ہی آن میں دونوں ہجرتیں اختیار کرے۔ ایک جسمانی ہجرت اور دوسری روحانی ہجرت۔ اگر جسم ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہو تو ’’انانیت‘‘ اور ’’منیت‘‘ کے مرحلے سے نکل کر خلوص کی منزل تک جا پہنچے اور بلندی کی طرف پرواز کرتے تو ایسے ’’مہاجر‘‘ کے لئے خدا فرماتا ہے

’’فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ‘‘

ایسے شخص کا اجر خدا کے پاس ہے اور یہ ایک بہت ہی اعلیٰ تعبیر ہے جس سے بالاترین مطلب کو بیان کرنا مقصود ہے اور وہ تصور کریں کہ ایسے مہاجر کا اجر کیا ہوسکتا ہے؟

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بعض مفسرین نے مفہوم کو وسعت دی ہے۔ ہوسکتا ہے حدیث کے ذریعہ وسعت دی گئی ہو بہر حال بہت ہی بہترین اور بجا تفسیر ہے اور وہ یہ کہ یہ آیت ان لوگوں کو بھی شامل ہوتی ہے جو علوم دینی کے حصول کی غرض سے اپنے گھر سے باہر نکلتے ہیں اور ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے میں جاتے ہیں۔ البتہ ان کی اس ہجرت کا مقصد صرف صرف علوم دینی کا حصول ہوتا ہے تا کہ علم حاصل کر کے لوگوں کو راہ راست کی تبلیغ کریں۔ خود کو بھی سدھاریں اور دوسروں کو بھی سیدھا راستہ

دکھائیں۔حصول علم سے ان کی غرض مال و دولت کمانا اور شہرت حاصل نہیں ہوتی جو لوگ اپنے گھر بار کو چھوڑ کر صرف تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دوسرے علاقوں میں جاتے ہیں تا کہ اپنے علم و دانش کے ذریعے اسلامی معاشرے کی ضروریات کو پورا کریں گے تو ایسی صورت میں وہ لوگ بھی اسی زمرے میں داخل ہوں گے جو اسلامی معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کرتے نہیں جو یہ سمجھتے ہیں چونکہ اسلامی معاشرے کو مسلمان ڈاکٹر کی ضرورت ہے، مسلمان انجینئر کی ضرورت ہے لہٰذا اس ضرورت کو پورا پورا کرنا ان کا فرض بنتا ہے ان پر واجب کفائی ہے کہ یہ علوم حاصل کریں نہ ایسے لوگ جو اپنی جیبیں بھرنے کے لئے اور نام ونمود اور شہرت حاصل کرنے کے لئے علم حاصل کرنے کی غرض سے سفر اختیار کرتے ہیں، تو ایسے لوگ بھی مہاجر الی اللہ کی فہرست میں آجائیں گے جن کے متعلق خدا فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور اگر اس دوران میں موت آجائے تو وہ ''مہاجر'' ہو کر مریں گے یعنی شہید کے چھوٹے بھائی ہو کر مریں گے کیونکہ ''مہاجر'' ''مجاہد'' کا چھوٹا بھائی ہوتا ہے۔قرآن فرماتا ہے ''جو لوگ خدا کے لئے ہجرت کرتے ہیں اور اس دوران میں انہیں موت آجائے تو ایسے لوگوں کا اجر صرف خدا کے پاس ہے'' ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مہاجر کو ہمیشہ مجاہد کے ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔لہٰذا جو شخص معاشرے کے ایمان کو بچانے کی غرض سے گھر سے باہر نکلتا ہے تو ایسا شخص مہاجر بھی ہے اور مجاہد بھی اور اسی مذکورہ آیت اور ان دوسری آیات کا مصداق بھی جو فی سبیل اللہ جہاد کے بارے میں ہیں مثلاً:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

وَالۡقُرۡاٰنِ ؕ [1]

حسین بن علی علیہ السلام قرآن منطق کی رو سے مہاجر بھی ہیں اور مجاہد بھی۔ انہوں نے شعائر اسلامی کے بچانے کی غرض سے اپنا گھر بار چھوڑا اور راہ خدا میں جہاد کیا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وطن مصر کو خیر باد کہہ کر مدین کا رخ کیا تھا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام صرف مہاجر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مہاجر تھے جنہوں نے کہا تھا ''اِنِّیۡ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ'' ابراہیم علیہ السلام نے اپنا گھر بار اور شہر و دیار اپنی مرضی سے چھوڑا تھا بہر حال مہاجر تھے لیکن حسین علیہ السلام مہاجر بھی تھے اور مجاہد بھی۔ صدر اسلام کے مہاجرین جن کے لئے حکم جہاد نازل نہیں ہوا تھا صرف مہاجر تھے جب بعد میں جہاد کا حکم نازل ہوا تو مجاہد کہلائے لیکن حسین علیہ السلام پہلے ہی دن سے مہاجر اور جاہد تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خواب میں فرمادیا تھا، میرے حسین علیہ السلام خدا نے تمہارے لئے کچھ ایسے درجات مقرر کئے ہیں جنہیں تم شہادت کے ذریعے ہی حاصل کر سکتے ہو۔'' حسین علیہ السلام تقریباً ۲۳ یا ۲۴ دن مہاجرت کے عالم میں رہے ہیں جس دن مکہ سے چلے اور کربلا آئے اس دوران آپ علیہ السلام کو تقریباً اتنے دن لگ گئے تھے۔ ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے چلے تھے اور دو محرم کو کربلا پہنچے تھے۔ آپ جس دن مکہ سے چلنے لگے تھے تو ایک خطبہ دیا جس میں ہجرت اور جہاد کو ایک ساتھ بیان کیا آپ فرماتے ہیں:۔

خط الموت علی ولد آدم مخط القلادۃ علی جید الفتاۃ

وما اولھنی الی اسلافی اشتیاق یعقوب الی یوسف

لوگوں! فرزند آدم کے لئے موت ایک زینت ہے۔ جس طرح نوجوان عورت کے لئے گلو بند ایک زینت ہوتا ہے۔ موت سے ڈرنا چاہئے اس سے وحشت نہیں کرنی چاہئے۔ خدا اور ایمان کی راہ میں شہید ہو جانا انسان کے لئے باعث فخر ہے۔ مرد کے لئے تاج افتخار ہے۔ جس طرح عورت کے لئے گلو بند ایک زینت اور زیور ہوتا ہے پھر آپ

---

[1] سورۂ توبہ:۱۱۱

فرماتے ہیں۔

کانی باوصالی تتقطعھا عسلان الحلوات بین النواویس و کربلا

لوگو! گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ کس طرح اس سرزمین (کربلا) میں صحرائی درندے میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور میرے بدن کو نوچ رہے ہیں لیکن ''رضا اللہ برضا نا اھل البیت'' ہماری اپنی کوئی رضا نہیں ہے۔ ہماری رضا درحقیقت خدا کی رضا ہے۔ جو خدا پسند کرتا ہے ہمیں بھی وہی چیز پسند ہے۔ اگر وہ ہماری بیماری پر راضی ہے تو ہم بھی بیماری پر راضی ہیں اگر وہ ہماری تندرستی چاہتا ہے تو ہم بھی تندرست رہنا چاہتے ہیں۔ وہ سکوت اور خاموشی چاہتا ہے تو ہم بھی سکوت اور خاموشی پر راضی ہیں اگر وہ بات کرنے کو پسند کرتا ہے تو ہم بات کرتے ہیں غرضیکہ ہمارے ہر ہر عضو اور بدن کے ہر ہر حصے کی حرکت اور سکون اس کی رضا کے پابند ہیں۔

قضایم اسیر رضا می پسندد
رضایم بہ آنچہ قضا می پسندد
چرا دست یازم چرا پای کوبم
مرا خواجہ بی دست و پا می پسندد

میری تقدیر مجھے اپنی رضا کا قیدی دیکھنا چاہتی ہے اور میری رضامندی بھی اسی بات پر ہے جس پر میری تقدری راضی ہے۔ میں خواہ مخواہ کے لئے کیوں ہاتھ پاؤں ماروں جبکہ میرا مولا مجھے بے دست و پا دیکھنا چاہتا ہے۔

اجمالی طور پر بتا دوں اور وہ کہ کل کوئی بھی تم میں سے زندہ نہیں بچے گا۔

فمن کان باذلاً مھجتہ موطناً علی لقاء اللہ نفسہ فلیر ھل معنا فانی راحل مصبحاً انشاء اللہ

جو شخص مکمل طور پر اس بات پر تیار ہے کہ اپنے دل کا خون خدا کی راہ میں ہدیہ کر دے اور قربان کرے اور جو شخص میرے ساتھ ہم آہنگ ہے میری طرح اپنے دل کا خون اللہ کے حضور ہدیہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہجرت کے لئے تیار کر لے کیوں کہ میں کل انشاءاللہ یہاں سے چل پڑوں گا۔

بہت سے لوگ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ چل پڑے تھے ابتداء میں کچھ لوگ بھی ہمارا ہو گئے تھے جو سمجھتے تھے کہ شاید امام کی باتوں میں مبالغہ ہو، ہوسکتا ہے بچ جائیں، اسی طرح راہ میں بھی کچھ لوگ اسی غرض سے آملے تھے۔لیکن حسین علیہ السلام اپنے ساتھ کمزور اور سست عناصر کو نہیں رکھنا چاہتے تھے۔آپ علیہ السلام نے راہ میں کئی بار اسی طرح کے خطبات دیئے تا کہ ناخالص لوگ جدا ہو جائیں اور مخلص اصحاب آپ کے ساتھ رہیں اور ایسا ہی ہوا آخر میں آپ کے ساتھ ایسے لوگ رہ گئے تھے جن کے بارے میں امام الشہداء نے فرمایا''میں اپنے اصحاب سے بہتر اور باوفا تر کسی کے اصحاب نہیں سمجھتا''یعنی اگر اصحاب بدر اور میرے اصحاب کے درمیان مقابلہ اور موازنہ کیا جائے تو میں اپنے اصحاب کو ترجیح دونگا۔اگر اصحاب احد اور ان کے درمیان موازنہ کیا جائے تو میں اپنے اصحاب کو ترجیح دوں گا۔اگر میرے اصحاب اور اصحاب صفین کے درمیان موازنہ کیا جائے تو میں اپنے اصحاب کو ترجیح دوں گا۔کیونکہ میرے اصحاب تمام اصحاب کے سرتاج ہیں۔

شب عاشورا سید الشہداء نے ایک مرتبہ پھر انہیں رخصت کرنا چاہا اور فرمایا:

''میں نے اپنی بیعت تم سے اٹھالی ہے اور تمہیں عام اجازت ہے تم مجھے چھوڑ کر رات کی تاریکی میں کہیں چلے جاؤ دشمن تم سے کوئی سروکار نہیں رکھتا وہ صرف میری جان کا دشمن ہے''لیکن سب نے مل کر کہا!''مولا! ہم نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں رہ کر شہادت کی راہ کو انتخاب کیا ہے، یہ ایک جان کیا چیز ہے کاش ہماری ہزاروں جانیں ہوتیں اور آپ علیہ السلام پر قربان کرتے'' سب سے پہلے یہ الفاظ جس نے کہے آپ علیہ السلام کا بھائی ابوالفضل العباس علیہ السلام تھے تاریخ میں ہے''بدا هم بذالك اخوه عباس بن علی علیہ السلام''

یہ سن کا اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کا دل باغ باغ ہو گیا امام نے دیکھ لیا کہ میرے اصحاب بھی میرے ہم فکر، ہم آہنگ، ہم عقیدہ اور ہم مقصد ہیں۔ امام نے فرمایا''اچھا اگر ایسا ہے تو پھر کل کے دن درپیش آنے والے حالات بھی تم کو اجمالی طور پر بتادوں اور وہ یہ کہ کل کوئی بھی تم میں سے زندہ نہیں بچے گا''

عاشورا کے دن امام حسین علیہ السلام نے ایک ایسا اعزاز اپنے اصحاب کو عطا فرمایا کہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ جب بروز عاشورا سوائے امام زین العابدین علیہ السلام کے کوئی مرد باقی نہیں رہ گیا تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام بھی مریض تھے اور خیمہ میں بستر بیماری پر پڑے ہوئے تھے۔ امام مظلوم دشمن کے ٹڈی دل لشکر کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے آپ کے چاروں طرف اصحاب کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس وقت آپ نے ایک جملہ فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ روئے زمین پر سوائے ان لاشوں کے کسی اور کو زندہ نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک درحقیقت یہی لوگ زندہ ہیں اور جو بظاہر زندہ ہیں وہ حقیقت میں مردہ ہیں۔

مردہ دلانند بہ روئ زمین

بہرچہ بامردہ شوم ہمنشین

حسین علیہ السلام نے جب نصرت طلبی کا نعرہ بلند کیا تو ان بظاہر زندہ اور درحقیقت مردہ لوگوں سے مدد نہیں مانگی بلکہ زمین پر پڑے ہوئے لاشوں سے جو حقیقت میں زندہ تھے۔ انہیں مخاطب ہو کر فرمایا:

یا ابطال الصفا و یا فرسان الهیجاء قوموا عن نومتکم ایها الکرام و ادفعوا عن حرم الرسول الطغاة اللٔام

اے میرے پاک دل بہادرو! اے پیشہ شجاعت کے شیرو اور اے شریف زادو اٹھو اور اپنی اس گہری نیند سے بیدار ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کمینہ اور پست فطرت لوگ

تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم اور ناموس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اٹھو اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم وناموس کا دفاع کرو۔

لیکن پھر امام خود ہی ان سے فرماتے ہیں نہ، نہ سو جاؤ اور آرام کی نیند کرو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے مقدس جسموں اور پاکیزہ سروں کے درمیان جدائی واقع ہو چکی ہے۔

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و صلی اللہ علی محمد و آلہ الطاہرین